



دیوان غالب

میرزا اسد اللہ خان غالب

بہ تحقیق متن و ترتیب
از

حامد علی خاں

۱۹۶۹

مجلس یادگارِ غالب

صدرِ مجلس

پروفیسر حمید احمد خان، ستارہ پاکستان، ستارہ امتیاز، وائس چانسلر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

ارکان

جناب عبدالرحمن یحقیانی، لاہور

مولانا غلام رسول مہر، لاہور

پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ، سابق صدر شعبہ فلسفہ، اسلامیہ کالج رسول لائبریری، لاہور

سید امتیاز علی تاج، ڈائریکٹر مجلس ترقی ادب، لاہور

مولانا حامد علی خان، مدیر مؤسسہ مطبوعات فرینکلن، لاہور

کیپٹن عبدالواحد، مؤسسہ مطبوعات فرینکلن، لاہور

ڈاکٹر جسٹس ایس اے رحمن، سابق چیف جسٹس پاکستان، لاہور

پروفیسر ڈاکٹر قاضی سعید الدین احمد، صدر شعبہ امور طلبہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

گروپ کیپٹن سید فیاض محمود، ناظم شعبہ تاریخ ادبیات، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

پروفیسر ڈاکٹر سید عبداللہ، صدر دائرۃ المعارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام، ناظم ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔

پیش لفظ

مجلس یادگار غالب کا قیام پنجاب یونیورسٹی کے ایک فیصلے کے مطابق عمل میں آیا اور پروفیسر حمید احمد خاں صاحب اس کے صدر مقرر ہوئے۔ مجلس نے غالب کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے جو کتابیں شائع کرنے کا منصوبہ بنایا تھا انہیں میں غالب شناسوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

یونیورسٹی کے ایک اور فیصلے کی رُو سے شعبہ اردو میں کرسی غالب قائم ہوئی۔ میں مسرت کے ساتھ اعلان کر رہا ہوں کہ اس اسامی پر پروفیسر سید وقار عظیم کا تقرر کیا جا چکا ہے۔

(پروفیسر) علامہ الدین صدیقی

وائس چانسلر، جامعہ پنجاب

لاہور

سینٹ ہال

مارچ ۱۹۶۹ء

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر، پرنسپل یونیورسٹی اورینٹل کالج و صدر شعبہ فارسی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

سید وقار عظیم، غالب پروفیسر اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

سید وزیر حسن عابدی، ریڈر، شعبہ فارسی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

جناب احمد ندیم قاسمی، مدیر مجلہ فنون، لاہور

پروفیسر ڈاکٹر عبادت بریلوی، صدر شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

جناب صفدر میر، روزنامہ پاکستان ٹائمز، لاہور

پروفیسر ڈاکٹر محمد اہل، صدر شعبہ نفسیات، گورنمنٹ کالج، لاہور

پروفیسر اختر اقبال کمالی، شعبہ انگریزی، اسلامیہ کالج رسول لائبرز، لاہور

ڈاکٹر حمید قریشی، ریڈر، شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

جناب انتظار حسین، روزنامہ مشرق، لاہور

جناب اقبال حسین، شعبہ تاریخ ادبیات، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

مستند

ڈاکٹر آفتاب احمد خان، جوائنٹ سیکرٹری، وزارت اطلاعات و نشریات حکومت پاکستان، دھاکہ

ڈاکٹر عبدالشکور حسن، ریڈر، شعبہ فارسی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

شریک مستند

سید سجاد باقر رضوی، لیکچرار انگریزی، یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور



تعارُف

فروری ۱۹۶۹ء میں مرزا غالب کی وفات پر ایک سو برس پورے ہو رہے ہیں۔ اس موقع کی مناسبت سے پنجاب یونیورسٹی نے شاعر کی عظمت کے اعتراف کے طور پر نہ صرف شعبہ اُردو میں ایک پروفیسر کی نئی اسمیٰ ”کرسی غالب“ قائم کی ہے، بلکہ مجلس یادگار غالب کے تعاون سے ایک سلسلہ مطبوعات شائع کرنے کا اہتمام بھی کیا ہے۔ یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

مجلس یادگار غالب کے قیام کی تحریک جنوری ۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر آفتاب احمد خان نے کی۔ وہ مجلس کے پہلے مُتعمد اور سید سجاد باقر ضوی شریک مُتعمد مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر آفتاب احمد خان کے لاہور سے ڈھاکے مُقتطع ہو جانے پر ڈاکٹر عبد الشکور احسن مجلس کے دوسرے مُتعمد قرار پائے۔ اواخر ۱۹۶۸ء میں جب ہمارا سلسلہ کُتب طباعت کے مرحلے میں داخل ہوا تو صدر مجلس کو ڈاکٹر محمد باقر کی مسلسل اعانت اور مشورہ بھی قدم قدم پر میسر رہا جن ارباب فکر و نظر نے مجلس کی درخواست پر اس سلسلہ کُتب کی ترتیب، تالیف یا تصنیف میں حصہ لیا اُن میں سے ہر ایک کا نام متعلقہ کتاب کے سرورق کی زینت ہے۔ مجلس یادگار غالب کے ارکان کے ناموں کی پوری فہرست اس کتاب کے شروع میں الگ شائع کی جا رہی ہے۔

مجلس کے سلسلہ مطبوعات میں سب سے پہلے مرزا غالب کی تصانیف آتی ہیں جو اردو اور فارسی نظم و نثر پر مشتمل ہیں۔ یہ تصانیف نفسِ مضمون کی رعایت سے یا موزونی ضخامت کا لحاظ کر کے مختلف جلدوں میں تقسیم کر دی گئی ہیں۔ ان سب کتابوں پر مؤلفین نے ویسا چھ لکھے ہیں اور حسبِ ضرورت حواشی کا اضافہ بھی کیا ہے۔ نیز جہاں تک ممکن ہو سکا دستیاب وسائل کی مدد سے ہر متن کی تصحیح کی ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ مرزا غالب کی تصانیف میں سے کوئی کتاب رہ نہ جائے۔ چنانچہ ان کی بعض نگارشات جو مرورِ زمانہ سے تقریباً ناپید ہو چکی تھیں، اب پھر اہل نظر کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہیں۔ دیوانِ غالب کا نسخہ حمید، جسے صدرِ مجلس نے مرتب کیا ہے ایک پہلے فیصلہ کے مطابق مجلس ترقیِ ادب، لاہور، کی طرف سے شائع ہو رہا ہے۔ غالب کی صرف یہی ایک کتاب مجلس یادگارِ غالب کی مطبوعات میں شامل نہیں۔

مرزا غالب کی تصانیف کے علاوہ مجلس کی مطبوعات میں وہ کتابیں بھی شامل ہیں جن میں اس یگانہ روزگار کے شخصی، فنی اور فکری کمال کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو انگریزی داں لوگ اُردو نہیں جانتے انھیں غالب کے فکرو فن سے متعارف کرنے کے لیے ایک مفصل کتاب انگریزی زبان میں شائع کی جا رہی ہے۔ ایک اور کتاب میں غالب پر شائع شدہ مواد کے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ پھر اس سوال کا جواب کہ ”میں نے غالب سے کیا پایا“ ایک تیسری کتاب کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ اس میں معتد و غالب شناس حضرات کے ذاتی تاثرات جمع کیے گئے ہیں۔ اسی طرح ایک اور مجموعے میں گزشتہ ایک سو برس کی تنقیدِ غالب کا خاکہ اقتباسات کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

یہ کتابیں فروری ۱۹۶۹ء میں شائع ہو رہی ہیں۔ گویا ان کی تاریخِ اشاعت سے مرزا غالب

کی حیاتِ بعدِ ممات کی دوسری صدی شروع ہوتی ہے۔ مجلس کو یقین ہے کہ اس دوسری صدی میں غالب کے قبولِ عام کی سرحدیں کچھ اور وسیع ہو جائیں گی۔ خدا کرے کہ دنیا کو ہندوستانی تمدن کے آخری ترجمان سے روشناس کرانے میں مجلس کی یہ سعی رائیگاں نہ جائے۔

حمید احمد خاں

صدرِ مجلس یادگارِ غالب

جامعہ پنجاب، لاہور

سینیٹ ہال

فروری ۱۹۶۹ء



حرف آغاز

جامعہ پنجاب کی مجلس یادگار غالب نے فیصلہ کیا کہ غالب کے پہلے صد سالہ یوم وفات کی تاریخی تقریب پر ان کی سب اردو فارسی تصانیف، اصل متن کی کامل تحقیق کے بعد، بہ حسن اہتمام شائع کی جائیں۔ اس موقع پر لازم ہوا کہ غالب کے اردو دیوان کا وہ نسخہ بھی اصل متن اور اصل ترتیب کے مطابق از سر نو طبع ہو جس کو ہم غالب کا متداول اردو دیوان کہتے ہیں۔ ایک ایسے صحیح نسخے کی طباعت کا میں بھی بڑا متوہ تھا مگر میں سمجھتا تھا کہ یہ نسخہ ہاتھ ہلانے بغیر مجھے مفت میں میسر آجائے گا۔

ایک دن میں ”مجلس یادگار غالب“ کے ایک اجلاس میں، بڑے مزے سے، بالکل بے خبر بیٹھا تھا کہ ناگہاں کسی نے اس کام کے سلسلے میں میرا نام لیا۔ یہ سن کر میں دفعۃً چونکا، ڈرا، گھبرایا، اور بھاگ نکلنے پر آمادہ ہوا، مگر اتنے میں دو تین معزز ارکان مجلس، یوں کہیے کہ میرا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ پھر خود صدر مجلس نے ایک بھرپور وار کیا: ”کیا آپ پر غالب کا کوئی احسان نہیں ہے؟“ اب میں کیا جواب دیتا۔ ناچار سپردال کر رہ گیا۔

در اصل یہ تھا ہی بڑی جھوٹا کام، اور کسی ہر لمحے مصروف شخص کے لیے یہ بڑی مشکل بات تھی کہ وہ اس مہم کے لیے وقت نکال سکتا؛ لیکن اب کیا کرتا، مجبوراً آدھ نیم شبی اور گریہ سحری کا وقت دیوان غالب کے متن کی تحقیق و تدقیق و تدوین کی نذر کر دینا پڑا۔

اگر میں ان ابتدائی سطور ہی میں اپنے ان احباب کا ذکر نہ کر دوں، جن کی مخلصانہ تائید و رفاقت نے میری ہمت بڑھائی اور میں اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے قابل ہو سکا، تو یہ بڑی احسان شناسی

ہوگی۔ سب سے پہلے مجھے اس عہد کے ایک بہت بڑے فاضل غالب شناس اور اپنے محبت عالی قدر پروفیسر سید وزیر الحسن صاحب عابدی کا شکریہ ادا کرنا ہے جو مجلس یادگار غالب کے اجلاس سے فارغ ہوتے ہی، خود بہ اصرار مجھے کشاں کشاں اپنے دولت کردے پر لے گئے، جہاں انھوں نے اپنے بیش بہا خزانہ غالب سے نکال کر اتنے قدیم و جدید نسخے غالب کے اردو دیوان کے، اور دیوان کی شرحوں کے، مجھ پر لا دیے کہ میں جوش مسرت میں دیوانہ سا ہو گیا۔ اگر دیوان غالب کے یہ قدیم و جدید نسخے اور کلام غالب کی یہ رنگارنگ شرحیں ہاتھ نہ آتیں تو میرے لیے یہ کام انجام دینا ناممکن ہو جاتا۔ اس کے ساتھ ہی مولانا غلام رسول صاحب مہر کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جو اس طویل دور آزمائش میں برابر میری حوصلہ افزائی اور کام جاری رکھنے کی تاکید فرماتے رہے؛ اور پھر ڈاکٹر عبد الشکور حسن معتبر مجلس یادگار غالب کا شکریہ کس طرح ادا ہو جن کی محبت بھری یاد دہانیاں بڑی باقاعدگی سے تازیانہ استاد کا کام کرتی، اور مجھے غفلت کی نیند سے جگاتی رہیں۔

یہ کام شروع کرنے سے پہلے جتنا مشکل نظر آیا تھا، شروع کر دینے کے بعد اس سے دس گنا زیادہ مشکل اور دس گنے زیادہ وقت اور ذمہ داری کا متقاضی نظر آیا، کیونکہ قدیم و جدید متداول نسخے سب کے سب باہم کر کے مختلف ثابت ہوئے اور ان میں اغلاط متن اور اختلاف ترتیب غزلیات و اشعار کی وہ ریل پیل نظر آئی کہ سرچکا گیا۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ سنو کتابت کے باعث کسی غزل کا کوئی ایسا شعر ہی ترک ہو گیا ہے جسے خود غالب نے ترک نہیں کیا تھا۔ اس کے برعکس بعض دیگر حضرات نے غزلوں میں اپنے پسندیدہ، مگر غالب کے ترک کردہ، اشعار کا اضافہ کر لیا ہے۔ ایسے نسخے بھی ملے جن کے مرتبین نے غالب کے اشعار کو سہواً یا اپنی پسند کے مطابق، ارادۂ بدل دیا ہے۔ اس سے پہلے سرسری طور پر غزلیں پڑھتے ہوئے یہ باتیں کبھی ذہن میں نہ آتی تھیں۔ اب عموماً ایک ایک مختلف فیہ شعر اور ایک ایک مختلف فیہ لفظ کی صحت کا فیصلہ کرنے کے لیے، بہ نظر احتیاط، دس دس پندرہ پندرہ قدیم و جدید نسخوں کا مقابلہ کرنا، اور بسا اوقات

شرحوں اور لغت کی مستند کتابوں کا سہارا بھی ڈھونڈنا پڑا۔ یہ کام بڑی احتیاط سے کیا گیا ہے اور قارئین کو اس کی دقت اور وسعت کا کسی قدر اندازہ متن کے ذیلی حواشی پڑھ کر ہوگا جنہیں تعداد میں حتی الامکان کم سے کم، اور یوں بھی مختصر سے مختصر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ طویل کلام سے اجتناب یہاں بھی لازم ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ جون ۱۸۶۲ء کے مطبوعہ جس نسخہ مطبع نظامی کو اس نسخے کی بنیاد بنایا گیا ہے، کیونکہ اسے خود غالب نے ترتیب دے کر شائع کرایا تھا، وہ بھی بعض صریح اغلاط کتابت سے محفوظ نہیں رہ سکا تھا؛ کسی اور نسخے کا تو کیا ذکر ہو۔

پیش نظر نسخے کی امتیازی خصوصیت صحت متن، صحت ترتیب اور متن کتابت و طباعت ہے۔ دیوان غالب کے متن اور ترتیب کی تحقیق کی ضرورت اور اہمیت کا پورا اندازہ خود راقم کو بھی یہ کام ہاتھ میں لینے کے بعد ہوا، مگر یہ کہ دنیا مناسب ہے کہ اس نسخے کو بھی، بااثر ہمد کاوش و کاوش، "حرف آخر" سمجھ لینا بہت بڑا اذعا ہوگا، کیونکہ اس کام کے لیے راقم کے وسائل سے بہت زیادہ وسائل، اور راقم کے اوقات فرصت سے بہت زیادہ اوقات فرصت درکار تھے۔ "غالب کے احسان" کا حق ادا کرنے کے لیے راقم الحروف نے ہر چند جان ماری اور دل توڑ کر کام کیا مگر حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

البتہ یہ دعویٰ شاید بے جا نہ ہو کہ یہ نسخہ کسی آئندہ محقق متن دیوان غالب کے لیے ذوق و شوق کا ایک نیا باب ضرور کھول دے گا۔

غالب کا اردو دیوان کئی صورتوں میں دستیاب ہو رہا ہے۔ لا تعداد اصحاب کے شائع کردہ متداول نسخوں کے علاوہ نسخہ عرشی بھی ہے اور نسخہ حمید بی بی، اور ان دونوں کی اپنی اپنی بے بدل خصوصیت ہیں۔ نیز بے شمار دیگر فاضل اصحاب کے مشرح نسخے بھی ہیں جن میں طباطبائی اور حسرت موہانی کی شرحیں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ پھر غلام رسول مہر اور مالک رام کے گراں قدر نسخے ہیں، جو اپنے اپنے بصیرت افروز معلوماتی

اشارات کے لحاظ سے ہمیشہ تازہ تراز رہیں گے۔ اسی طرح اس باب میں اور بہت سے کارنامے ہیں جن سے غالب کا کوئی پرستار ناداقت نہیں ہے۔

موجودہ نسخہ جو غالبیات کی وسیع دنیا میں بالکل تازہ وارد ہے، کسی پہلے نسخے کا بدل ہونے کا ہرگز مدعی نہیں ہو سکتا۔ اس کی اشاعت کا مقصد صرف یہ ہے کہ غالب کی رحلت کے سو سال بعد بھی غالب کے اردو کلام کا ایک نسخہ خود غالب ہی کی ترتیب غزلیات و اشعار کے مطابق، زیادہ سے زیادہ صحیح اور مہمل متن کے ساتھ، ایک ہلکے پھلکے خوشنما مجموعے کی شکل میں اہل نظر کو دستیاب ہو جائے۔ اس قسم کے مجموعے کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہ نسخہ اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے حُرّ کتابت اور آرائش اوراق کے لیے ہم پاکستان کے نامور خطاط حضرت نفیس قسّم کے ممنون ہیں جن کی شبانہ روز محنت پر اس نسخے کا حرف و حرف شاہد ہے۔ آرائشی بیل بوٹے انھیں مصوّر پاکستان حضرت پختائی کی عنایت سے حاصل ہوئے ہیں، جن کا شکریہ واجب ہے۔

آخر میں قارئین کے اطمینان قلب کے لیے یہ بتا دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ راقم الحروف نے کتابت کی تصحیح کی غرض سے ان صفحات کو طباعت سے قبل اتنی مرتبہ پڑھا ہے کہ اس بزرگوار میں شاید کبھی کسی نسخے کی کتابت اس قدر بار بار اور لگاتار نہیں پڑھی ہوگی۔ اس دوران میں اپنے زمانہ قیام دہلی کی ایک غزل کا یہ شعر بار بار یاد آیا:

حاید کلام حضرت غالب کا ورد ہو

فرصت کشاکش غم پنہاں سے گرے

کشاکش غم پنہاں سے تو فرصت نہ ملی مگر اس نسخے کی کتابت پڑھنے میں کلام حضرت غالب کا ورد یقیناً بیسیوں مرتبہ ہو گیا۔ چنانچہ جو شخص مسودے اور کتابت کے مقابلے میں شریک رہا، وہ اب دیوان غالب کا حافظ ہے! اگر غالب کا کلام صحت کے ساتھ پڑھنے کے باب میں یہ نسخہ نئی پود کی کچھ بھی مدد کر سکا تو اس کی اشاعت کا مقصد پورا ہو جائے گا۔

حاید علی خاں

۶۱۹۶۹



دیباچہ

شام شمیم آشنایان راضلا و نہاد انجمن شینان را مژدہ کہ نختے از سامان مجرہ گردانی آمادہ و دامن از غود ہندی دست ہم دادہ است، نہ چو بہا ہی سنگروب خورہ بہ ہنجار ناطلیغی شکستہ بے اندام تر شیدہ بلکہ بہ تبر شکافتہ بہ کار در زیر کردہ بہ سہوان خراشیدہ۔

ایدون نفس گدختگی شوق بہ جستجوی آتش پاریسی است، نہ آتش کہ در گنجاہی ہند افزہ خاموش و از کف خاکستر بہ مرگ خودش سیہ پوش بینی، چہ بر فتنے سلم است از ناپاکی بہ آتخوان مردہ ناباکر کشتن از دیوانگی بہ رشتہ شمع نزار رشتہ آوختن۔ ہر آئینہ بہ دل گدختن نیرزد و نرم افروختن را نشاید۔

رُخ آتش بہ ضلع برافروزدہ و آتش پرست را بہ باد فراہ ہم و آتش سوزندہ نیک میداند کہ پڑہند در ہوا ی آن نرختہ آذر لعل در آتش است کہ بہ چشم روشنی ہوشنگ از سنگ بردن تافتہ و در ایوان لہر سپ نشو و نما یافتہ خض را فروخت و لالہ را رنگ و مرغ را چشم و کدہ را چراغ۔

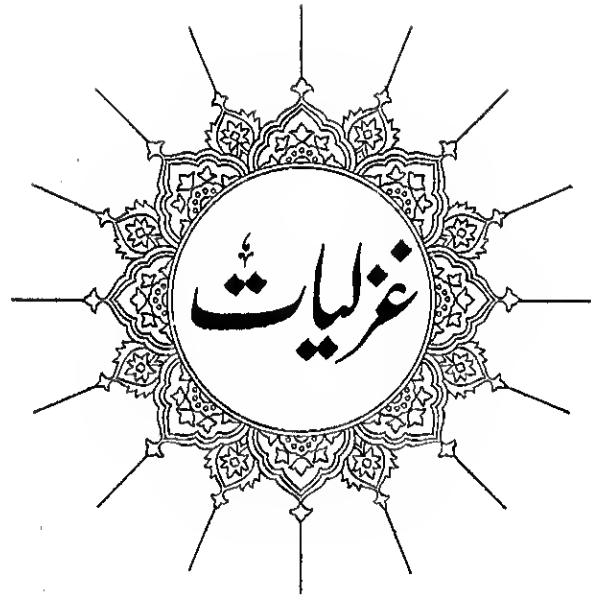
بخشدہ یزدان درون سخن برافروز را سپاسم کہ شرارے از آن آتش تابناک بہ خاکستر خویش فیتہ بہ کاد کاوسینہ شافتہ ام و از نفس دمہ بر آن نہادہ۔ بُو کہ در اندک مایہ روزگار ان مایہ فراہم تواند آمد کہ مجرہ را فرّ روشنائی چراغ و را یخ عو را بال شناسائی دماغ تواند بخشید۔

ہما نا نگارندہ این نامہ را آن در سر است کہ پس از انتخاب دیوان ریختہ بہ گرد آرد و درون مایہ دیوان سی بر خیزد و بہ استفاضہ کمال این فریون پس را نوی خوشن نشیند امید کہ سخن ہر ایمان سخنور ستای پرانگندہ ایستے را کہ خارج ازین اوراق یابند از آثار تراوشش رگ کلک این نامہ سیاہ نشاند و چامہ گرد آور را در ستایش و بکوشش آن اشعار ممنون و مانوذر نگارند۔

یارب این بوی سستی ناشنیدہ از نیستی بہ پیدائی نارسیدہ یعنی نقش بہ ضمیر آمدہ نقاش کہ بہ اسد اللہ خان موسوم و بہ میرزا نوشہ معروف و بہ غالب متخلص است، چنانکہ اکبر آبادی مولد و دہلوی مسکن است، فرجام کار نجفی مدفن نیز باد، فقط۔

(بست و چہارم شہر ذیقعدہ سنہ ۱۲۴۸ھ)

لے متداول نسخوں میں یہاں لفظ "دوب" چھاپا ہے جو کسی لغات میں نہیں ملا۔ پروفیسر عابدی کا خیال ہے کہ غالب نے لفظ "دوب" "دوب" کے بجائے "دوب" لکھا ہے۔



① ۱ ۲

نقش و نریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
 کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا
 کاؤ کاو سخت جاڑیاے تنہائی، نہ پوچھ
 صبح کرنا شام کا، لانا ہے جوئے شیر کا
 جذبہ بے اختیار شوق دیکھا چاہیے
 سینہ شیر سے باہر ہے دم شیر کا
 آگئی دام شنیدن جس قدر چاہے بچاے
 مدعا غفتا ہے اپنے عالم تقریر کا
 بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیر پا
 مومے آتش دیدہ ہے حلفت مری زنجیر کا

②

جراحت شخفہ، الماس ارمغان، داغ جگر ہدیہ
 مبارک باد اسد، غمخوار جان درو سن آیا



لے اکثر مودہ نسخوں میں "کاؤ کاؤ" درج ہے اور لوگ بے خیالی میں اسی طرح پڑھتے ہیں۔ بعض حضرات نے "کاؤ کاؤ" بھی لکھا ہے جس کا یہاں کوئی عمل نہیں۔ کاؤ کاوش علی العموم "کاؤ کاؤ" بہتر استعمال ہے۔ اس مصرع میں "کاؤ کاؤ" پڑھنا چاہیے۔



(3)

جز قیس اور کوئی نہ آیا بہ رُوعے کار
 صحرانگہ تبہنگی چشمِ حُشود تھا
 اشتہنگی نے نقشِ سُویدا کیا دُرُست
 ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا
 تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
 جب آنکھ کھل گئی، نہ زیاں تھا نہ سود تھا
 لیتا ہوں کتبِ غمِ دل میں سبقِ ہنس
 لیکن یہی کہ رفت گیا اور بُود تھا
 دھانپا کفن نے داغِ عیونِ بہنگی
 میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ بُود تھا
 تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن، اسد
 سرشتہ خمارِ رُسوم و شُیود تھا



لہ یہاں "حُشود" کی جگہ "حُشود" بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ حُشود = جمع حارید۔ حُشود = بہت حُشد کرنے والا۔



(4)

کہتے ہو نہ دیں گے ہم، دل اگر پڑا پایا
 دل کہاں کہ گم کیجے، ہم نے مدعا پایا
 عشق سے طبیعت نے زلیست کا مزا پایا
 درد کی دوا پانی، دردِ بے دوا پایا
 دوستدارِ دشمن ہے، اعتمادِ دل معلوم
 اہ بے اثر دیکھی، نالہ نارسا پایا
 سادگی و پُرکاری، بنیادی مہشکاری
 حُسن کو تغافل میں جرأت آنا پایا
 غنچہ پھر لگا کھلنے، آج ہم اپنا دل
 خوں کیا ہوا دیکھا، گم کیا ہوا پایا
 حالِ دل نہیں معلوم، لیکن اس قدر یعنی
 ہم نے بار بار دھونڈا، تم نے بار بار پایا
 شورِ پسندِ ناصح نے زخمِ پرنک چھڑکا
 آپ سے کوئی پوچھے، تم نے کیا مزا پایا





(5)

دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا
آتش خاموش کے مانند گویا جل گیا
دل میں ذوقِ وصل ویا دیا رہا تک باقی نہیں
آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا
میں عدم سے بھی پرے ہوں، ورنہ غافلِ بارہا
میری آہِ آتشیں سے بالِ غنقا جل گیا
عرض کیجے جو ہمراہِ نیشہ کی گرمی کہاں؟
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحر ا جل گیا
دل نہیں، تجھ کو دکھاتا ورنہ داعیوں کی بہار
اس چراغاں کا کبروں کیا، کارند ا جل گیا
میں ہوں اور افسردگی کی آرزو، غالب کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ و نسب ا جل گیا



(6)

شوق، ہر رنگِ رقیبِ سرو سا مان نکلا
قیس تصویر کے پردے میں بھی سیریاں نکلا
زخم نے وادہ دی تنگی دل کی یارب
تیر بھی سینہ پستل سے پرافشاں نکلا
بوسے گل، نالہ دل، و دووِ چرخِ مِخَل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
دلِ حسرت زوہ تھا مادہٴ لذتِ درد
کام مایوں کا بہت در لب و دندان نکلا
اے نو آموزِ فنِ ہمت و شوارِ پند
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا
دل میں پھر گریے نے اک شور اٹھایا غالب
اے جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفان نکلا



لے بعض نسخوں میں "لے" کی جگہ "ہے" اور بعض میں اس کی جگہ "تھی" بھی چھپا ہے۔ حسرت مومانی اور
طبیبانی کے نسخوں، نیز بعض دوسرے نسخوں میں "لے" ہی چھپا ہے۔ اس "لے" کی مثال غالب کے اس مصرع میں
بھی کسی قدر ملتی ہے ۛ لے نالہ نشانِ جگر سوختہ کیا ہے



دھکی میں مر گیا جو، نہ بابتِ نبوت تھا
 عشقِ نبوتِ پیشہ طلبگارِ مرد تھا
 تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
 اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگِ زرد تھا
 تالیفِ نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں
 مجموعہ خیال ابھی منہ دے رہا تھا
 دل تاجگر کہ ساحلِ دریا سے خوں ہے اب
 اس رگِ زریں حبِ سہوہ گل آگے گرد تھا
 جاتی ہے کوئی کشمکشِ اندوہِ عشق کی؟
 دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا
 احبابِ چارہ سازیِ وحشت نہ کر سکے
 زنداں میں بھی خیالِ بیاباں نورد تھا
 یہ لاشِ بے کفنِ اسدِ خستہ جاں کی ہے
 حقِ مغفرت کرے عجب آزادِ مرد تھا



لے شاعرینِ کلام کے نزدیک دفعہ ”جو“ کے بجائے ”گیا“ کے بعد ہے۔



شمارِ سحرِ مرغوبِ بُتِ مُشکلِ پسند آیا
 تماشا نے بہ یک کفِ بُرونِ صدِ دل، پسند آیا
 بہ فیضِ بیدیِ نویدِ جاویدِ آساں ہے
 کُشاہش کو ہمارا عصمتِ مُشکلِ پسند آیا
 ہوئے سیرِ گلِ آئینہ بے مہرِ متال
 کہ اندازِ بہ خوں غلتیدینِ سہلِ پسند آیا





(9)

دہر میں نقش و فاجہ تہی نہ ہوا
 ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا
 سبزہ خط سے ترا کا کل سرکش نہ دبا
 یہ زُمر و بھی حریف دم افغی نہ ہوا
 میں نے چاہا تھا کہ اندوہ و فاسے چھوٹوں
 وہ ستگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا
 دل گزر گا خیال سے دستانہ ہی سہی
 گر نفسِ جاوہ منہ نزل تقویٰ نہ ہوا
 ہوں تیرے وعدہ نہ کرنے میں بھی راضی کہ کبھی
 گوشِ منت کش گلبانگِ تہی نہ ہوا
 کس سے محرومی قیمت کی شکایت کیجے

ہم نے چاہا تھا کہ مرجائیں سو وہ بھی نہ ہوا

مر گیا صدمہ یک جنبشِ لب سے غالب
 ناتوانی سے حریفِ دم عیسیٰ نہ ہوا

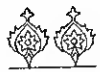


(10)

بتائیں گے زاہد اس دستِ درجس باغِ رضواں کا
 بیان کیا کیجیے سیدِ اد کاوشِ مے بزرگاں کا
 نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانعِ میرے نالوں کو
 دکھاؤں گا تماشا، دی اگر فرصتِ زمانے نے
 کیا آئینہ خانے کا وہ نقشِ تیرے جلوے نے
 مری تعمیر میں مضمحل ہے اک صورتِ خرابی کی
 اگاہ ہے گھر میں ہر سو سبزہ، ویرانی تماشا کر!
 خموشی میں نہاں خوگشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں
 ہنوز اک پرتو نقشِ خیالِ باری باقی ہے
 بغل میں غیر کی آج آپ سوتے ہیں کہیں ورنہ
 نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا
 وہ اک گلہ ستہ ہے ہم سجدوں کے طاقِ نیلیاں کا
 کہ ہر اک قطرہ خوں دانہ ہے تسبیحِ مرجاں کا
 لیا دانوں میں جو تنکا، ہوا ریشہِ غیشیاں کا
 مراہر داغِ دل اک ششم ہے سرو چراغاں کا
 کرے جو پرتو خورشید، عالمِ شبنمِ ستاں کا
 ہیولی برقِ حسدِ من کا ہے خونِ گرم دہقان کا
 مذاز آبِ کھونڈے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا
 چراغِ مردہ ہوں میں بے زباں، گورِ غریباں کا
 دلِ افسردہ گویا محبتِ ہے یوسف کے زنداں کا
 سبب کیا جواب میں اگر بستمِ ہائے پیناں کا
 قیامت ہے سرِ شک آلودہ ہونا تیری بزرگاں کا

نظر میں ہے ہماری جاوہِ راہِ فنا، غالب

کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا



لے "اک" کی جگہ قدیم نسخوں میں "یک" چھپا ہے۔
 لے "نہ" حرکتِ موائی میں "خوں گشتہ" کی جگہ "سرگشتہ" درج ہے۔



(11)

نہ ہوگا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا
جَبابِ مَوْجہٗ رَفْتار ہے نقشِ قدم میرا
مَحَبَّتِ تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے
کہ مَوْجِ بُوے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا

~~~~~ (12) ~~~~~

سراپا رہیں عشق و ناگزیرِ اُلفتِ بہستی  
عبادتِ برق کی کرتا ہوں اور افسوسِ حاصل کا  
بقدرِ ظرف ہے ساقی! خمارِ تشنہ کامی بھی  
جو تو دریاے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں سہل کا



(13)

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہاے راز کا  
یاں در نہ جو حجاب ہے، پردہ ہے ساز کا  
رنگِ شکستہ صُبحِ بہارِ نظار ہے  
یہ وقت ہے شگفتنِ گل ہاے ناز کا  
تُو اور سُوئے غیہِ نظر ہاے تیز تیز  
میں اور دُکھِ تری مژدہ ہاے دراز کا  
صرف ہے ضبطِ آہ میں میرا، وگرنہ نہیں  
طعمہ ہوں ایک ہی نفسِ جاں گداز کا  
میں بلکہ جوشِ بادہ سے شیشہ اچھل رہا ہے  
ہر گوشہٗ ریاض ہے سرِ شیشہ باز کا  
کاوش کا، دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہنوز  
ناخنِ پستِ رضِ اس گروہِ نیم باز کا  
تاراج کاوشِ غمِ حبراں ہوا، اسدا  
سینہ، کہ تھا دُفینہ گہراے راز کا



لہ تن میں ہر جگہ چھوٹی آواز کی تے بلا ہنر لکھی گئی ہے مثال کے لیے تیسرے شعر میں ملاحظہ ہو سُوئے اور نظر ٹٹے، لیکن یہی آواز کی تے میں ہنر  
ہے۔ مثلاً اسی شعر کے دوسرے مصرع میں ”مژدہ ہاے“  
لہ طعمہ = خوراک - طعمہ = ایک لقمہ -



(14)

بزم شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا  
 شب ہوئی، پھر خجستہ چاند کا منظر کھلا  
 گرچہ ہوں دیوانہ، پر کیوں دوست کا کھانا دے  
 گو نہ سمجھوں اُس کی باتیں، گو نہ پاؤں اُس کا بھید  
 ہے خیالِ حُسن میں حُسنِ عمل کا سا خیال  
 مُنہ نہ کھلنے پر وہ عالم ہے کہ دیکھا ہی نہیں  
 در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیا پھ گیا  
 کیوں اندھیری ہے شمعِ ہم ہے بلاؤں کا نزول  
 کیا رہوں غربت میں غمِ شجبتِ حوادث کا خیال  
 رکھو یا رب یہ دیکھ بیٹہ کو ہر کھلا  
 اس تکلف سے کہ گویا بتکدے کا دکھلا  
 آئیں میں فشنہ نہاں، ہاتھ میں شکر کھلا  
 پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا  
 حُسد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا  
 زلف سے بڑھ کر نقاب اُس شوخ کے منہ پر کھلا  
 چنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا پتھر کھلا  
 آج اُدھر ہی کو رہے گا دیدِ خست کھلا  
 نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ برکشت کھلا

اُس کی اُمت میں ہوں میں میسے ہیں کیوں گام نہ  
 واسطے جس شہ کے غالب گنبد بے در کھلا



(15)

شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرہ ابر آب تھا  
 شعلہ جوالہ ہر اک حلقہ گر داب تھا  
 واں کرم کو عذیر بارشس تھا غناں گیسو خرام  
 گرے سے یاں پنہاں باشس کھن سیلاب تھا  
 واں خود آرائی کو تھا موتی پر دے کا خیاں  
 یاں ہجومِ اشک میں تارِ نگہ نایاب تھا  
 جلوہ گل نے کیا تھا واں چراغِ اعلیٰ آج  
 یاں رواں مژگانِ چشم تر سے خونِ ناب تھا  
 یاں سر پر شورِ بختِ دیوار جو  
 واں دُہ منہ قِ نازِ محبوب باش کخواب تھا  
 یاں نفس کرتا تھا روشن، شمعِ بزمِ بختِ دیوی  
 جلوہ گل واں بسا صُحبتِ احباب تھا  
 فرش سے تاعشس واں طوفاں تھا موجِ رنگا  
 یاں زمیں سے آسمان تک سوختن کا باب تھا

لے قدمِ نسوں میں اُن کی جگہ "بک" درج ہے۔  
 لے پہلے مصرع میں "بے خوابی" کا ذکر ہے۔ غالب نے رعایتِ لفظی کے خیال سے یہاں "کخواب" لکھا ہے۔ "کخواب" کا اطلاق "کتاب" بھی ہے لیکن  
 "کخواب" علیٰ ہر حال قابلِ تریج اور یہاں علیٰ ہر حال موزون ہے کیونکہ یہی غالب کا مقصود ہے کہ پڑے کے رویں کو "خواب" کہتے ہیں  
 کم رویں کا کپڑا = کخواب = کتاب۔



ناگماں اِس رنگ سے خونناہ ٹپکانے لگا  
دل کہ ذوق کاوشِ ناخن سے لذت یاب تھا :

نالہ دل میں شب اندازِ اثرِ نایاب تھا  
تھا سپندِ بزم وصلِ غیر، گوبے تاب تھا  
مقدمِ سیلاب سے دل کیا نشاطِ آہنگ ہے  
خانہ عاشق، مگر سازِ صدائے آب تھا  
نازِ شہِ ایامِ حنا کسترِ شینی کیا کوں  
پہلوئے اندیشہ وقفِ بسترِ سنجاب تھا  
کچھ نہ کی اپنے جُمنونِ نارِ سامنے، ورنہ یاں  
ذرہ ذرہ رُوشِ خورشیدِ عالم تاب تھا  
آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے؟  
کل تک تیرا بھی دل مہرِ وفا کا باب تھا  
یاد کرو وہ دن کہ ہر اک حلفتِ تیرے وام کا  
انتظارِ صید میں اک دیدہ بے خواب تھا  
میں نے روکا راتِ غالب کو، ورنہ دیکھتے  
اُس کے سبیلِ گریہ میں گردوں کفِ سیلاب تھا



(16)

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب  
خونِ حبر و دلییتِ مرگانِ یار تھا  
اب میں ہوں اور ماتمِ یک شہرِ آرزو  
توڑا جو تُو نے آئینہ، تمثالِ دار تھا  
گیلوں میں میری نقش کو کھینچے پھرو، کہ میں  
جاں دادہ ہواے سرِ ہزار تھا  
موجِ سراپِ دشتِ وفا کا نہ پوچھ حال  
ہر ذرہ، مثلِ جوشِ تیغ، آبِ دار تھا  
کم جانتے تھے ہم بھی عینِ عشق کو، پر آب  
دیکھا تو کم ہوئے یہ عینِ روزگار تھا





(۱۷)

بیکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا  
ادھی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا  
گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی  
درو دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا  
ولے دیوانگی شوق کہ ہدم مجھ کو  
آپ جانا اُدھ اور آپ ہی حیراں ہونا  
جلوہ ازبکہ تھا ضائع نہ کرتا ہے  
جو ہر آئینہ بھی چاہے ہے شرکاں ہونا  
عشرت قتل گہ اہل تمنا، مت پوچھ  
عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا  
لے گئے خاک میں ہم داغ تنہا نشا  
تو ہو اور آپ بہ صد رنگ گلستاں ہونا  
عشرتِ پارہ دل، زحیمِ مٹا کھانا  
لذتِ ریشِ جگر، غرقِ نمکداں ہونا  
کی مرے قتل کے بعد اُس نے جھاسے توبہ  
ہائے اُس رُوپشیاں کا پشیاں ہونا

حیف اُس چار گریہ کپڑے کی قیمتِ غالب!

جس کی قیمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا



لے بعض حضرات "قیمت" کی جگہ "قیمت" لکھتے اور پڑھتے ہیں لیکن یہاں "قیمت" ہی ہے اور ہونا چاہیے۔ صحیح طریقے سے پڑھا جائے تو اس شعر میں عیب نہیں لگتا ہے۔



(۱۸)

شبِ خمِ شوقِ ساقی رتخیز اندازہ تھا  
تا محیطِ بادہ صُورتِ خانہِ شمشیرِ تہا  
یک قدمِ وحشت سے درسِ دفترِ امکاں کھلا  
جادو، اجڑائے دو عالمِ دشت کا شیرازہ تھا  
مانعِ وحشتِ خرامیہا لے لے کون ہے؟  
خانہِ مجنونِ صحرَا اگر دے دروازہ تھا  
پوچھ مت رسوائیِ اندازِ استغنائے حُسن  
دستِ مرہونِ حنا، رخسارِ رہنِ غارہ تھا  
نالہ دل نے ویسے اوراقِ نختِ دل برباد  
یادگارِ نالہ اک دیوانِ بے شیرازہ تھا





(19)

دوست غمخواری میں میری سخی فرمائیں گے کیا  
 زخم کے بھرنے تک ناخن نہ بڑھ جائیں گے کیا  
 بے نیازی حد سے گزری بہن پرور کب تک  
 ہم کہیں گے حال دل اور آپ منہ میں گے کیا  
 حضرت ناصح گر آئیں، دیدہ و دل فرشن راہ  
 کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا  
 آج وال تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں  
 عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا  
 گر کیا ناصح نے ہم کو قید، اچھا یوں سہی  
 یہ حبسِ نونِ عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا  
 خانہ زادِ زلف ہیں، زنجیر سے بھاگیں گے کیوں  
 ہیں گرفتارِ وفا، زنداں سے گھبرائیں گے کیا  
 ہے اب اس معمورے میں قحطِ غمِ الفت اسد  
 ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں، کھائیں گے کیا؟



لے قدیم نسخوں میں قافیہ "فراویں" "جاویں" وغیرہ چھپے ہیں۔ بعد کے بعض نسخوں میں "فراویں" "آویں" وغیرہ قافیہ درج نہیں کیوں کہ "فراویں" اور "آویں" میں  
 لے بعض لوگوں کی زبان پر "رہیں" کے بجائے "رہے" بھی ہے اس کا سبب ایک پُرانے نسخے کا اندراج ہے مگر اکثر نسخوں میں "فراویں" "جاویں" "رہیں" درج ہے۔



(20)

یہ نہ بھتی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا اگر اور چیتے رہتے یہی تھپتا رہتا  
 ترے وعدے پر جیسے ہم تو یہ جان چھوٹ جانا کہ خوشی سے مرنے جاتے اگر عمتِ بار ہوتا  
 تری ناز کی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا کبھی تو نہ توڑ سکتا، اگر استوار ہوتا  
 کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نکمیش کو یہ غلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا  
 یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوستِ ناصح کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی غم گسار ہوتا  
 رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا  
 غم اگرچہ جاں گیل ہے، یہ پچیں کہاں کہ دل ہے غمِ عشق اگر نہ ہوتا، غمِ روزگار ہوتا  
 کون کس سے ہیں کہ کیا ہے شبِ غمِ بری بلا ہے مجھے کیا بُرا تھا مرنے، اگر ایک بار ہوتا  
 ہوئے مر کے ہم جو رسوا، ہوئے کیوں متعوی یا نہ کبھی جنازہ اٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا  
 اُسے کون دیکھ سکتا کہ گمان ہے وہ کیا جو دُوی کی بوجھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

یہ مسائلِ تصوف، یہ ترابیانِ غالب

تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ باوہ خوار ہوتا

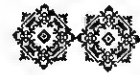




ہوس کو ہے نشا ط کار کیا نہ ہو مرزا تو چینے کا مزا کیا  
تجاہل پیشگی سے مد کیا کہاں تک لے سراپا ناز کیا کیا  
نواز شہائے سب کا کھیتا ہوں شکایتاے زگیں کا گلا کیا  
نگاہ بے محابا چاہتا ہوں تغافلہائے تسکین آنا کیا  
فوری شعلہ خن یک نفس ہے ہوس کو پاس ناموس وفا کیا  
نفس موج مضبوط بخودی ہے تغافلہائے ساقی کا گلا کیا  
دماغ عطسہ پیراہن نہیں ہے عنیم آوار گہائے صبا کیا  
دل ہر قطر ہے ساز "انا انجر" ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھا کیا  
مجاہد کیا ہے، میں ضامن، ادھر دیکھ شہیدان نگہ کا خونہا کیا  
سن لے عنارتگر جنس وفا، سن شکست قیمت دل کی صدا کیا  
کیا کس نے حب گداری کا دعویٰ؟ شکیب خاطر عاشق بھلا کیا  
یہ قاتل وعدہ صبر آزا کیوں؟ یہ کافور قنہ طاقت ربا کیا

بلانے جاں ہے، غالب اس کی ہر بات

عبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا!



لے ایک نسخے میں قیمت دل کی جگہ ریشہ دل لکھا ہے۔



در خور قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا  
بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود میں ہیں، کہ ہم اُلٹے پھر آئے در کعبہ اگر وہ نہ ہوا  
سب کو مقبول ہے دعویٰ تری یکتائی کا روبرو کوئی بُت آئینہ سیما نہ ہوا  
کم نہیں نازشیں ہنسا می چشمِ خواب تیرا ہمسار، برا کیا ہے، گرا اچھا نہ ہوا  
سینے کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک گیا خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا  
نام کا میرے ہے جو دکھ کہ کسی کو نہ ملا کام میں میرے ہے جوفت نہ کہ برپا نہ ہوا  
ہر بن موم سے دم ذکر نہ ٹپکے خوناب حمزہ کا قصہ ہوا، عشق کا چرچا نہ ہوا  
قطرے میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں گل کھیل لڑکوں کا ہوا، دید تجر بیما نہ ہوا

میں خنجر گرم کہ غائب کے اڑیں گے پرنے

دیکھنے ہم بھی گئے تھے یہ تماشا نہ ہوا



اسد ہم وہ جنوں جولاں کہ لے بے سرو پا ہیں کہ ہے سرخپہ مشرکان آہو پشت خار اپنا



لے نسخہ حسرت موہانی اور نسخہ ہر میں یہ شعر لیا ہے :

نام کا ہے مرے وہ دکھ جو کسی کو نہ ملا کام کا ہے مرے وہ قنہ کہ برپا نہ ہوا  
اس ترتیب الفاظ کے ظاہری جس کے باوجود، دوسرے کسی قدیم و جدید نسخے سے یہ ثبوت نہیں ملا کہ غالب نے خود یہ شعر لیا بدل دیا تھا۔ غالب کو شاید دوسرے مصرع کا وہ مفہوم مطلوب بھی نہ تھا جو کام کا سے پیدا ہوتا ہے۔ دوسرے قدیم و جدید نسخوں کے علاوہ عرشی، طباطبائی، مالک نام اور تہجد و دہلوی کے نسخوں میں بھی یہ شعر لیا ہی ملا ہے جیسا متن میں درج ہوا اور نسخہ نظامی مطبوعہ ۱۸۶۲ء میں بھی اسی طرح چھپا ہے۔



پے نذرِ کرم شخصہ ہے شرمِ نارسائی کا  
بہ نونِ غلتیدہ صد رنگِ دعویٰ پارسائی کا  
نہ ہو حُسنِ تماشنا دوستِ رُسوا بے وفائی کا

بہ مہرِ صدفِ نہایت ہے دعویٰ پارسائی کا  
زکاتِ حُسنِ دے، لے جلوہٴ بنیش، کہ مہرِ آس  
چراغِ حنا نہ درویش ہو کا سہ گدائی کا  
نہ مارا جان کر بے جرم، غافل! تیری گردن پر  
رہا مانندِ خونِ بے گُنہ حقِ آشنائی کا  
تمنائے زباں مجھِ سپاس بے زبانی ہے  
مٹا جس سے تقاضا شکوہ بے دستِ پائی کا  
وہی اک بات ہے جو یاں نفسِ وائِ نکبتِ گل ہے

چمن کا جلوہ باعث ہے مری نگینِ نوائی کا  
دہانِ ہر بُتِ پُنعینارہ جو زنجیرِ رُسوائی  
عدمِ تک بے وفا چرچا ہے تیری بے وفائی کا

نہ دے نامے کو اتنا طولِ غالب، مختصر کہ دے  
کہ حسرتِ سنج ہوں عرضِ ستمِ ہائے جدائی کا



لے نسخہ نظامی (۱۸۶۲ء)، نسخہ حمید زبیر و دیگر تمام پیش نظر قدیم نسخوں میں یہاں لفظ "غافل" ہی چھپا ہے یہی لفظ نسخہ طباطبائی اور نسخہ عربی میں ہے اور یہ معنوی لحاظ سے درست بھی معلوم ہوتا ہے مگر نسخہ حسرت اور نسخہ قمر و نول میں یہاں لفظ "قائل" ملتا ہے شاید اس تبدیلی کا مقصد نسخہ حسرت کا کاتب ہو۔



گر نہ اندوہِ شبِ فرقت بیاں ہو جائے گا  
بے تکلف، داغِ مہرِ دہاں ہو جائے گا  
زہرہ گر ایسا ہی شامِ ہجر میں ہوتا ہے آب  
پر تو مہتابِ سیلِ خانماں ہو جائے گا  
لے توں سوتے میں اُس کے پائو کا بوسہ مگر  
ایسی باتوں سے وہ کافرِ بگماں ہو جائے گا  
دل کو ہم صرف وفا سمجھتے، کیا معلوم تھا  
یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحان ہو جائے گا  
سب کے دل میں ہے جگہ تیری، جو تو راضی ہوا  
مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائے گا  
گر نگاہِ گرمِ مسرقاتی رہی تسلیمِ ضبط  
شعلہٴ خُش میں جلیے خوںِ رگ میں ہنساں ہو جائے گا  
باغ میں مجھ کو نہ لے جا در نہ میرے حال پر  
ہر گلِ تر ایک چشمِ خوئے رشتاں ہو جائے گا  
وے گر میرا ترا انصافِ محشر میں نہ ہو  
اب تک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائے گا

فائدہ کیا سوچ، آخر تو بھی دانا ہے اسد  
دوستیِ ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائے گا





(26)

دردِ منتِ کیشِ دوا نہ ہوا میں نہ اچھا ہوا، بُرا نہ ہوا  
 جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو اک تماشا ہوا، گلا نہ ہوا  
 ہم کہاں قسمت آڑنے جائیں تو ہی جب خنجر آڑنا نہ ہوا  
 کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب گالیاں کھا کے بے فرا نہ ہوا  
 ہے خنجر گرم اُن کے آنے کی آج ہی گھر میں بویا نہ ہوا  
 کیا وہ نمرود کی حسدانی تھی؟ بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا  
 جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا  
 زخم گر دب گیا، لہو نہ تھا کام گر رُک گیا، ردا نہ ہوا  
 ہسنی ہے کہ دلیسانی ہے؟ لے کے دل، دستانِ روانہ ہوا

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں

آج غالب غزل سرا نہ ہوا



لے نسخہ حسرتِ موبانی میں یوں کی جگہ یہ "درج" ہے۔



(27)

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا گھر میں محو ہوا اضطرابِ دریا کا  
 یہ جانتا ہوں کہ تو اور پائینِ مکتوب! مگر ستمزدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا  
 خنابے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے یہی دوامِ کلفتِ خاطر ہے عیشِ دنیا کا  
 غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ باغ نہ دو مجھے دماغِ نہیں خنجر ہے بے جا کا  
 ہنوز محرمیِ حُسن کو ترستا ہوں کرے ہے ہر نبیِ موم کا مچشمِ پینا کا  
 دل اُس کو پہلے ہی ناز واداسے دے بیٹھے ہیں دماغِ کہاں حُسن کے تقاضا کا  
 نہ کہہ کہ گریہ بہت دارِ حسرتِ دل ہے مری نگاہ میں ہے جمع و خرجِ دریا کا

فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اُس کو یادِ اسد

جہاں میں اسٹس کی ہے اندازِ کار فرما کا



(28)

قطرے بکے حیرت سے نفس پرور ہوا خطِ جامِ مے سراسر، رشتہ گو ہر ہوا  
 اعتبارِ عشق کی خانہِ حنبلانی دکھنا غیر نے کی آہ، لیکن وہ خنجر مجھ پر ہوا



لے نسخہ نظامی نیز دوسرے پیش نظر قلم و جدیدِ نغز میں یہاں "اس" کے بجائے "اُس" درج ہے۔ "اس" کا اشارہ فلک کی طرف ہے۔  
 "کار فرما" محبوب ہے۔



(29)

جب بہ تقریب سفیر نے مجھ باندھا  
تپش شوق نے ہر ذرے پہ اکِ دل باندھا  
اہلِ پنیش نے بہ حیرت کدے شوخی ناز  
جوہرِ آئینہ کو طوطیِ بسمل باندھا  
یاس و اُمید نے یک عرَبہ میدان مانگا  
عجزِ ہمت نے طلسمِ دلِ سائل باندھا  
نہ بندھے تشنگیِ ذوق کے مضمونِ غالب  
گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا



(30)

میں اور بزمِ نئے سے یوں شہِ کام آؤں  
گر میں نے کی تھی توبہ، ساقی کو کیا ہوا تھا  
ہے ایک تیر جس میں دونوں چھپے پڑے ہیں  
وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا

درماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں  
جب رشتہ بے گرہ تھا، ناخنِ گرہ کُشا تھا

لے بعض جدید سخن میں یہاں "شوق" درج ہے مگر غالب ہی کے کلام سے ثبوت ملتا ہے کہ بعض مقامات پر جہاں آج کل ہم "شوق" استعمال کرتے ہیں، وہاں غالب نے "ذوق" لکھا۔



(31)

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو دریاں ہوتا  
بحرِ گرِ بحر نہ ہوتا تو بیا باں ہوتا  
تنگیِ دل کا گلہ کیا یہ وہ کامِ دل ہے  
کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا  
بعدِ یکِ عرصہِ دُورِ بار تو دیتا بارے  
کاشِ رضواں ہی دریا کا دریاں ہوتا



(32)

نہ تھا کچھ توحدا تھا، کچھ نہ ہوتا توحدا ہوتا  
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا  
ہوا جب غم سے یوں بے جن تو غم کیا سر کے کٹنے کا  
نہ ہوتا گر جدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا  
ہوئی مدت کہ غالب مر گیا، پر یاد آتا ہے  
وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا





(33)

یک ذرہ زمیں نہیں بیکار باغ کا  
یاں جادہ بھی فیتلہ ہے لالے کے داغ کا  
بے مے کسے ہے طاقت آشوبِ آگہی  
کھینچا ہے عجزِ حوصلہ نے خطِ ایام کا  
بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ٹائے گل  
کتے ہیں جس کو عشق، حائل ہے ویاغ کا  
تازہ نہیں ہے نشہ منکرِ سُخن مجھے  
تریاکیِ قدیم ہوں دودِ چہرہ داغ کا  
سوارِ بندِ عشق سے آزاد ہم ہوئے  
پر کیا کریں کہ دل ہی عُدو ہے فراغ کا  
بے خونِ دل ہے چشم میں موجِ نگہِ غبار  
یہ مے کہہ غراب ہے مے کے سراغ کا

باغِ شگفتہ تیرا باطلِ نشاطِ دل  
ابرِ بہارِ خمد کہ کس کے ویاغ کا



(34)

وہ مری چینِ حبیب سے غمِ نہاں سمجھا  
رازِ مکتوب بہ بے ربطی عنوان سمجھا  
یک الف بیش نہیں صیقِلِ آئینہ ہنوز  
چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا  
شرحِ اسبابِ گرفتاریِ خاطرِ مست پوچھا  
اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا  
بدگمانی نے نہ چاہا اُسے سرگرمِ حنہ لم  
رُخ پہ ہر قطرہ عرقِ دیدہ حیراں سمجھا  
عجز سے اپنے یہ حبا کہ وہ بدخو ہوگا  
نبضِ خس سے پیشِ شعلہ سوزاں سمجھا  
سفرِ عشق میں کی ضعف نے راحتِ طلبی  
ہر قدم سائے کو میں اپنے بستاں سمجھا  
تھا گریزاں مرثیہ یار سے دلِ تادمِ مرگ  
دفعِ پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجھا  
دل دیا جان کے کیوں اُس کو وفا و اُرد  
غلطی کی کہ جو کامنہ کو مسلمان سمجھا







(35)

پھر مجھے دیدہ تر یاد آیا دل، جب گشتہ فریاد آیا  
 دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز پھر ترا وقت سفر یاد آیا  
 سادگی ہائے تمنا، یعنی پھر وہ نیرنگ نظر یاد آیا  
 عذر و اماندگی، اے حسرتِ دل! نالہ کرتا تھا جب گریہ یاد آیا  
 زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی کیوں ترا رہ گزر یاد آیا  
 کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی گھر ترا حسد میں گریہ یاد آیا  
 آہ وہ جرات فریاد کہاں دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا  
 پھر ترے کوچے کو جاتا ہے خیال دل گم گشتہ، مگر یاد آیا  
 کوئی ویرانی سی ویرانی ہے! دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

میں نے مجنوں پہ لاکپن میں آسد  
 سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا



لے بہت سے نسخوں میں "نیرنگ نظر" کی جگہ "نیرنگ نظر" چھپا ہے جو صحیح نہیں۔



(36)

ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا آپ آتے تھے، مگر کوئی عیناں گیر بھی تھا  
 تم سے بے جا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ اُس میں کچھ شائبہ خوبیِ قسمتِ ریر بھی تھا  
 تو مجھے بھول گیا ہو تو پست ابتدا دُلوں کبھی فرشاک میں تیرے کوئی پنجر بھی تھا  
 قید میں ہے ترے جی کو وہی زلف کی یاد ہاں کچھ اک رنجِ گرنہب رسی زنجیر بھی تھا  
 بجلی اک کو نہ گئی آنکھوں کے آگے تو کیا بات کرتے کہ میں لبثتہ تقریر بھی تھا  
 یوسف اُس کو کہوں اور کچھ نہ کہے، خیر ہوئی گر گڑبڑیٹھے تو میں لائقِ تعزیر بھی تھا  
 دیکھ کر غمِ سر کو ہو کیوں نہ کیلیا ٹھنڈا نالہ کرتا تھا، ولے طالبِ تاثیر بھی تھا  
 پیشے میں عیب نہیں، رکھیے نہ فریاد کو نام ہم ہی آشفقہ سروں میں وہ جوائے ریر بھی تھا  
 ہم تھے مرنے کو کھڑے، پاس نہ آیا، نہ سہی آخر اُس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا  
 پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب  
 کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی تیر بھی تھا

37

لبِ خشک و تشنگی مُردگاں کا زیاں تکدہ ہوں دل آزر دگاں کا  
 ہمہ ناامیدی، ہمہ بدگمانی میں دل ہوں فریے فاخوردگاں کا





(38)

تو دوست کسی کا بھی، ستگمرا نہ ہوا تھا  
 اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا  
 چھوڑا میرے شب کی طرح دستِ قضا نے  
 خورشید ہنوز اُس کے برابر نہ ہوا تھا  
 توفیق بہ اندازہ ہمت ہے ازل سے  
 آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا  
 جب تک کہ نہ دیکھا تھا قد یار کا عالم  
 میں مُتَحِفِ رَفِیت نہ معشر نہ ہوا تھا  
 میں سادہ دل، آزر دگی یار سے خوش ہوں  
 یعنی سبق شوق مُکَرَّر نہ ہوا تھا  
 دریاے معاصی ٹنک آبی سے ہوا خشک  
 میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا  
 جاری تھی اسدِ داغ جگر سے مری تحصیل  
 تشکدہ جاگیرِ سمن در نہ ہوا تھا



۱۔ مروجہ نسخوں کی اکثریت میں یہاں ”مرے“ چھپا ہے مطلب یہ کہ ”میرے“ داغ جگر سے تحصیل جاری تھی ”مگر سوال یہ ہے کہ سمن در کے مقابلے میں  
 یہاں کوئی تحصیل آتش کر رہا تھا؟ اس کا کوئی جواب نہیں ہے، جب تک یہاں ”مرے“ کے بجائے ”میری“ نہ پڑھا جائے یعنی داغ جگر سے میری  
 تحصیل تب تاب اس وقت بھی جاری تھی جبکہ سمن در تک کہ آنکھ نہ ہوا تھا لفظ ”نظامی“ میں ”میری“ ہی چھپا ہے، مگر قدیم نسخوں میں تو ”مرے“  
 کو بھی ”میری“ ہی لکھا جاتا تھا۔ لہذا صرف معنوی دلیل ہی متن کے اندراج کے حق میں ہی جاسکتی ہے۔ حضرت مولانی اور عرش کا بھی غالباً اسی دلیل  
 پر اتفاق ہو گا۔ ان دونوں کے سوا شاید کوئی فاضل مرتب دیوان غالب نے یہاں ”میری“ نہیں لکھا۔



(39)

شب کہ وہ مجلسِ شہِ وزیرِ خلوتِ ناموس تھا  
 رشتہ ہر شمعِ خارِ کسوتِ فانوس تھا  
 مشہدِ عاشق سے کوسوں تک جو اگتی ہے جفا  
 کس قدر یارب ہلاکِ حریتِ پاکوس تھا  
 حاصلِ اُلفت نہ دیکھا جز شکستِ آرزو  
 دل بہ دل پیوستہ، گویا، یک لبِ افشوس تھا  
 کیا کروں بیماریِ عنسم کی فراغت کا بیاں  
 جو کہ کھایا خونِ دل، بے منتِ کیموس تھا



(40)

آئینہ دیکھ اپنا سامنے لے کے رہ گئے  
 صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا  
 قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ ملائے  
 اُس کی خطا نہیں ہے یہ سیرِ اقصوور تھا



عرض نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا  
 جس دل پہ ناز تھا مجھے، وہ دل نہیں رہا  
 جاتا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لیے ہوتے  
 ہوں شمعِ کُشتہ، درِ خورِ محفل نہیں رہا  
 مرنے کی لے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں  
 شایانِ دست و بازو کے قابل نہیں رہا  
 برزوںے ششِ جہت درِ آئینہ باز ہے  
 یاں ہستیازِ ناقص و کامل نہیں رہا  
 داکرِ دیے ہیں شوق نے بندِ نقابِ حُسن  
 غیر از نگاہِ اب کوئی حائل نہیں رہا  
 گوئیں رہا رہیں ستمِ ہائے روزگار  
 لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا  
 دل سے ہوائے کشتِ وفا مٹ گئی کہ واں  
 حاصلِ سوائے حسرتِ حاصل نہیں رہا  
 بیدارِ عشق سے نہیں ڈرتا، مگر اس  
 جس دل پہ ناز تھا مجھے، وہ دل نہیں رہا



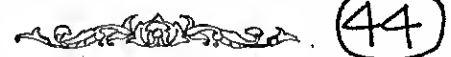
رشک کہتا ہے کہ اُس کا غیر سے اخلاص حیف  
 عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا  
 ذرہ ذرہ ساغرے خانہِ نیرنگ ہے  
 گرویشِ مجنوں بہ چشمکِ لیلی آشنا  
 شوق ہے سامانِ طرازِ نازش اربابِ عجز  
 ذرہ، صحرا، دستگاہ و قطرہ، دریا آشنا  
 میں اور اک آفت کا ٹکڑا، وہ دل وحشی کہ ہے  
 عافیت کا موشن اور آوارگی کا آشنا  
 شکوہ سنجِ رشک ہمہ گیر نہ رہنا چاہیے  
 میرا زانوِ مونس اور آئینہ تیرا آشنا  
 کو کہنِ نقاشِ یک تمثالِ شیریں تھا، اسد  
 نگ سے سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا





43

فکر اُس پری وُش کا، اور پھر بیاں اپنا  
بن گیا رقیب آخند تھا جو راز داں اپنا  
مے وہ کیوں بہت پیتے بزمِ غیر میں یارب  
آج ہی ہوا منظور اُن کو امتحان اپنا  
منظر اک بلبندی پر اور ہم بنا سکتے  
عرش سے اُدھر ہوتا، کاشکے بکال اپنا  
وے وہ جس قدر ذلت ہم تنہی میں ٹالیں گے  
بارے آشنا نکلا، اُن کا پاسٹبان اپنا  
دردِ دل کھوں کب تک جاؤں اُن کو دکھاؤں  
انگلیاں نگار اپنی جناحِ مخمچکاں اپنا  
گھستے گھستے مرٹ جاتا، آپ نے عبث بلا  
نگب سجدہ سے میرے، سنگِ آستان اپنا  
تا کرے نہ غمازی، کر لیا ہے دشمن کو  
دوست کی شکایت میں ہم نے ہنراں اپنا  
ہم کہاں کے دانستے، کس ہنر میں کیلتے تھے  
بے سبب ہوا غالب دشمن آسمان اپنا



44

سُرمۂ مُنفعتِ نظر ہوں، مری قیمت یہ ہے  
کہ رہے چشمِ حیدر پہ احساں میرا  
نُصرتِ نالہ مجھے دے کہ سب دا ظالم  
تیرے چہرے سے ہو ظاہر غمِ پنہاں میرا



لہ اکثر شعروں میں "ادھر کی جگہ" ادھر چھپا ہے۔ نسخہ حمید میں "پرے" چھپا ہے۔ شعر کا صحیح مفہوم "ادھر" یا "پرے" سے  
ادا ہوتا ہے۔ "ادھر" لکھنے والوں نے اس شعر کی جو شرحیں لکھی ہیں، وہ قسماً بخوش نہیں ہیں۔ (نسخہ نظامی: "ادھر")  
لہ نسخہ حسرت موہانی میں "ہو ظاہر" کی جگہ "عیاں ہو" چھپا ہے۔



45

غافل بہ و ہسم ناز خود آرا ہے ورنہ یاں  
بے شانہ صبا نہیں ٹو گویا ہ کا  
بزمِ قدح سے عیشِ تمانہ رکھ، کہ رنگ  
صیدِ ز دامِ جتہ ہے اس دامگاہ کا  
رحمت اگر قبول کرے، کیا بعید ہے  
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا  
مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں، کہ ہے  
چُگلِ خیالِ زحیم سے دامنِ نگاہ کا  
جاں دہو اے یکِ بنگہ گرم ہے اسد  
پروانہ ہے وکیلِ ترے دادخواہ کا





(46)

جور سے باز آئے، پر باز آئیں کیا  
 رات دن گردش میں ہیں سات آسماں  
 لاگ ہو تو اُس کو ہم سمجھیں لگاؤ  
 ہو لیے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ  
 موجِ خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جاے  
 عسیر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ  
 کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا  
 ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبراہٹیں کیا  
 جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا  
 یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا  
 آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا  
 مر گئے پر، دیکھیے دکھلائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے  
 کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا



(47)

لطف بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی  
 چمن زنگار ہے آئینہ بادِ بہاری کا  
 حریفِ جوشِ دریا نہیں خود داری سہل  
 جہاں ساقی ہو تو، باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا



(48)

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا  
 تجھ سے قیمت میں مری، صورتِ قفلِ ابجد  
 دل ہوا کشمکشِ چارہ رحمت میں تمام  
 اب جنا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ  
 ضعف سے گریہ مُبدل بہ دمِ مُہو  
 دل سے مٹا تری گشتِ حنائی کا خیال  
 ہے مجھے ابرہہ راری کا برس کرکھنا  
 گر نہیں محبتِ گل کو ترے کوپے کی ہوں  
 تاکہ تجھ پر کھلے عجب زہرِ اے صقیل  
 درد کا حد سے گزنا ہے دوا ہو جانا  
 تھا لکھا بات کے بنتے ہی حبِ اہو جانا  
 مٹ گیا گھسنے میں اس عقدے کا وا ہو جانا  
 اس قدر دشمنِ اربابِ فنا ہو جانا  
 باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا  
 ہو گیا گوشت سے ناخن کا حبِ اہو جانا  
 روتے روتے عنیمِ فرقت میں فنا ہو جانا  
 کیوں ہے گردِ رو جو لاجِ صبا ہو جانا  
 دیکھ برسات میں سبز آئنے کا ہو جانا

نخستہ ہے جلوہ گل، ذوقِ تماشا غالب  
 چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا



لے بعض نسخوں میں اس شعر کو موجودہ مقطع کے بعد درج کیا گیا ہے

50

لکھتا ہوں آسہ سوزشیں دل سے سُجھن گرم  
 تارکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پر نجشت

مئے بعض نغز میں "بڑی" اور بعض میں "ترا" چھپا ہے۔ متن میں "بڑی" کو ترجیح دی گئی ہے۔ اس صورت میں علامتِ وقفہ "بڑی" کے بعد ہے۔ دوسری صورت میں علامتِ وقفہ نِشانی کے بعد ہونی چاہیے یعنی ع کا نِشانی، ترا چھلے کا نہ دینا۔ متن کے اندراج کا مفہوم یہ ہے کہ تیری ہی نِشانی میرے لیے کافی ہے کہ رخصت کے وقت جب میں نے تجھ سے نِشانی کا چھلہ لیا تو تو نے مجھے ایک اداسے خاص سے ٹھیک کا دکھا دیا۔ نسخہ نظامی میں بھی اس متن کے مطابق "بڑی" ہی چھپا ہے۔

پھر ہوا وقت کہ ہو بال گشت اموج شراب



نہیں گرسد و برگ اور اکِ معنی  
تماشاے نیزنگِ صورتِ سلامت



مُندگیتیں کھولتے ہی کھولتے اٹھیں غالب  
یار لائے مری بالیں پہ اُسے، پر کس وقت



یہ غزل اپنی، مجھے جی سے پسند آئی ہے آپ  
 ہے روئیغ شعریں غالب زبیں تکرار و دست



لے شاید بعض حضرات اس کو ”رفتہ“ بھی پڑھتے ہیں۔ یقین ہے کہ غالب کا لفظ یہاں ”رفتہ“ ہے۔

## (54) ج

گلشن میں بندوبست بہ رنگِ دگر ہے آج  
قمری کا طوقِ حلفتِ بیرونِ در ہے آج

آتا ہے ایک پارہٴ دل ہر فغاں کے ساتھ  
تارِ نفسِ کھنڈِ شکارِ اثر ہے آج

اے عافیتِ کنارہ کر، اے انتظامِ چل  
سیلابِ گریہ در پئے دیوارِ در ہے آج

## (55) ج

لو ہم مریضِ عشق کے بیمارِ دار ہیں  
اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج!



لے لئے مریضِ عشق میں بیمارِ دار کی جگہ عموماً بیمارِ دار چھپا ہے، مگر قدیم نسخوں میں یہاں لفظ بیمارِ دار ہی ملتا ہے جو کم از کم غالب کے عہد میں اس مضموم کے لیے زیادہ موزوں تھا۔ اس باب میں روایت و کی آخری غزل کے اس شعر میں بیمارِ دار پر حاشیہ ملاحظہ فرمائیے:  
پڑیے گر بیمار، تو کوئی نہ ہو بیمارِ دار اور اگر مریضِ عشق تو نہ خواں کوئی نہ ہو

## (56) ج

نفس نہ آنجسمنِ آرزو سے باہر کھینچ  
اگر شراب نہیں، انتظارِ ساغر کھینچ

کمالِ گرمی سستیِ تلاشِ دید نہ پوچھ  
بہ رنگِ خار مرے آنے سے جو ہر کھینچ

تجھے بہانہٴ راحت ہے انتظارِ اے دل  
کیا ہے کس نے اشارہ کہ نازِ بستر کھینچ

تری طرف ہے، بہ حسرت، نظارہٴ زکس  
بہ کوریِ دل و چشمِ رقیبِ ساغر کھینچ

بہ نیمِ عنبرہ ادا کر حق و دلیتِ ناز  
نیامِ پروہِ زخمِ جگر سے خنجر کھینچ

مرے قدح میں ہے صبا کے آتشِ پنہاں  
بہ زوئے سفرہٴ کبابِ دلِ سمنِ در کھینچ



لے لئے 'سعی' اور 'نفسی' جیسے الفاظ میں اضافت کے لیے زیر کے بجائے ہمزہ استعمال نہیں کیا گیا، کیونکہ اضافت سے یہاں 'الف' کی نہیں،  
"فی" ہی کی اپنی اصل آواز پیدا ہوتی ہے۔

لے صحیح تلفظ میں مضموم سے ہے مگر بعض لوگ اس تلفظ میں "دم کا پہلو" دیکھتے ہیں اور سفرہ بہ حسین مفسر جہلے ہیں۔



(57) د

خُن غمِ زے کی کشاکش سے چٹا میرے بعد بارے، آرام سے ہیں اہل جہا میرے بعد  
منصبِ شیفتگی کے کوئی متا بل نہ رہا ہوئی معذولی انداز وادامیرے بعد  
شمع بجھتی ہے تو اُس میں سے دھواں اُٹھتا ہے شعلہ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد  
خوں ہے دل خاک میں احوالِ بتاں پر، یعنی اُن کے ناخن ہوئے محتاجِ حنا میرے بعد  
درِ خوبرِ عرض نہیں بچو سرِ بیدار کو جا نگر ناز ہے سرے سے خنا میرے بعد  
ہے جُنوں اہل جُنوں کے لیے آغوشِ وداع چاک ہوتا ہے گریباں سے جدا میرے بعد  
کون ہوتا ہے حریفِ مے مردِ سنگِ عشق ہے مکرر لبِ ساقی پیشِ صلا میرے بعد  
غم سے مڑتا ہوں کہ اتنا نہیں دُنب میں کوئی کہ کرے تغزیتِ مہر و وفا میرے بعد

آئے ہے بکیسی عشق پہ رونا غالب  
کس کے گھر جاے گا سیلابِ بلا میرے بعد



لے نسخہ نظامی، نسخہ عرشی، نسخہ حضرت مرثیٰ اور بعض دیگر نسخوں میں یہاں "میں" ہی چھپا ہے۔ نسخہ حمید یہ میں "پہ" درج ہے۔  
ظاہر "میں" سہو کہ بت معلوم ہوتا ہے لیکن اگر غالب نے "میں" ہی لکھا تو اُس کی مراد یہ ہوگی کہ غلبہ غم کے باعث صلابوں  
پر نہ آسکی، لبوں میں رہ گئی۔

(58) د

بلا سے، ہیں جو یہ پیشِ نظرِ در و دیوار نگاہِ شوق کو ہیں بال و پرِ در و دیوار  
دُفورِ اشک نے کاشا نے کا کیا یہ رنگ کہ ہو گئے مرے دیوار و در، در و دیوار  
نہیں ہے سایہ، کہ سُن کر نویدِ ہشتم یار گئے ہیں چن درمِ پیشترِ در و دیوار  
ہوئی ہے کس و شدر ازانی سے جلوہ کہ مست ہے ترے کوچے میں ہر در و دیوار  
جو ہے تجھے سرِ سودا سے انتظار، تو آ کہ ہیں دکانِ مستارِ نظرِ در و دیوار  
ہجومِ گرہ کا سا مان کب کیا میں نے کہ گر پڑے نہ مرے پائو پر در و دیوار  
وہ آ رہا مرے ہمسائے میں، تو سائے سے ہوئے فدا در و دیوار پر در و دیوار  
نظر میں کھٹکے ہے پن تیرے، گھر کی آبادی ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر در و دیوار  
نہ پوچھ بے خودی عیشِ ہفتِ مہِ سیلاب کہ نہا چتے ہیں پڑے، سرِ لبِ در و دیوار

نہ کہہ کسی سے، کہ غالب نہیں زمانے میں  
حریفِ رازِ محبت، مگر در و دیوار





(59)

گھر جب بنالیا ترے در پر کے بغیر جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر، کے بغیر  
کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقت سُخن جانوں کسی کے دل کی میں کیوں کر کے بغیر؟  
کام اُس سے آ پڑا ہے کہ جس کا جان میں لیوے نہ کوئی نام ستمگہ کے بغیر  
جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے، ورنہ ہم سر جاے یا رہے، نہ رہیں پر کے بغیر  
چھوڑوں گا میں نہ اُس بُت کا منہ کا پوجنا چھوڑے نہ خلق کو مجھے کامنہ کے بغیر  
مقصد ہے ناز و غمزہ، وے گفتگو میں کام چلتا نہیں ہے دشمنہ و خنجر کے بغیر  
ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو بنتی نہیں ہے بادہ و سانس کے بغیر  
بہا ہوں میں تو چاہیے دونا ہوا التفات سُنتا نہیں ہوں بات مکرر کے بغیر

غالب نہ کر حضور میں تو بار بار عرض  
ظاہر ہے تیرا حال سب اُن پر کے بغیر



لہ نسخہ حسرت : جی ہی میں لہ نسخہ حمید : کو پوجنا  
قن نسخہ مطبع نظامی (مطبوعہ ۱۸۹۲ء) کے مطابق ہے۔



(60)

کیوں جل گیا نہ تاب رُخ یار دیکھ کر جلتا ہوں اپنی طاقت ویدار دیکھ کر  
آتش پرست کہتے ہیں اہل جہاں مجھے سرگرم نالہ ہاے شرر بار دیکھ کر  
کیا آبروے عشق جہاں عام ہو جہاں رکتا ہوں، تم کو بے سبب آزار دیکھ کر  
آتا ہے میرے قتل کو، پر جوش رشک سے مرتا ہوں اُس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر  
ثابت ہوا ہے گردن میں سنا پہ غن خلق لرزے ہے موج نے تری رفتار دیکھ کر  
واحسرا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ ہم کو حریص لذت آزار دیکھ کر  
بک جاتے ہیں ہم آپ متاع سُخن کے ساتھ لیکن عیا ر طبع حسد یار دیکھ کر  
زنتار باندھ، سجدہ صد دانہ توڑ ڈال رہو چلے ہے، راہ کو ہموار دیکھ کر  
ان آبلوں سے پائو کے گہرا گیا تھا میں جی خوش ہوا ہے راہ کو پرخار دیکھ کر  
کیا بدگیاں ہے مجھ سے کہ آئینے میں مرے طوطی کا عکس سمجھے ہے، زنگار دیکھ کر  
گرنی تھی ہم پر برق تجسلی، نہ طور پر دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

سر پھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا  
یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر



قیامت اک ہوائے شند ہے خاکِ شیدائ پر  
 نہ لڑنا صح سے غالب کیا ہو اگر اُس نے شدت کی؟  
 ہمارا بھی تو آخِ روز چلتا ہے گریباں پر!



ہیں اور بھی دنیا میں سُخّور بہت اچھے  
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

(63)

صفا سے حیرت آئینہ ہے سامانِ رنگِ آخر  
تغیر آبِ برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگِ آخر

نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدریسِ وحشت کی  
ہوا جامِ زمرود بھی مجھے داغِ پلنگِ آخر



لے میں اس، اُس، اُن، وغیرہ کے اعراب لگانے میں بھی بہت احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ نسخہ نظامی (۱۸۶۲ء) میں ”اس“، ”ان“ وغیرہ کا اندراج بلا سرہ ہے، مگر ”اُس“، ”اُن“ وغیرہ کو ”اوس“، ”اون“ لکھا گیا ہے۔ اس غل میں نیز پیش نظر نسخے کے باقی تمام مندرجات میں نسخہ نظامی کی بہ احتیاط پیروی کی گئی ہے۔ اُس سے صرف وہیں انحراف کیا گیا ہے جہاں، غالباً سہو کاتب کے باعث، معنوی ترمیم پیدا ہوئی ہے۔



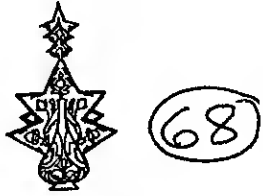
۱۔ یہ زین العابدین خان عارف کا مرثیہ ہے۔

(67) ز

فارغ مجھے نہ جان کہ مانند صبح و مہر  
ہے داغ عشق زینتِ جیب کفن ہنسوز

ہے نازِ مفلساں زہر از دستِ رفتہ پر  
ہوں گل فروشِ شوخی داغ کفن ہنسوز

مے خانہِ حبس میں میاں خاک بھی نہیں  
خمیازہ کھینچے ہے بُتِ بیداد فن ہنسوز



(68)

حریفِ مطلب مشکل نہیں فسونِ نیاز  
دعا قبول ہو یا رب، کہ عمرِ خضر دراز

نہ ہو، بہ ہرزہ، بیاباں نوردِ وہم و وجود  
ہنسوز تیرے تصور میں ہے نشیب و فراز

وصالِ جلوہ تماشا ہے، پرِ دماغ کہاں  
کہ دیجے آئینہ آتشنار کو پرداز

ہر ایک ذرہ عاشق ہے آفتاب پرست  
گئی نہ خاک ہوئے پر ہواے جلوہ ناز

نہ پوچھ وسعتِ مے خانہ جنوں غالب  
جہاں یہ کاسہ گردوں ہے ایک خاک انداز





(69)

وُسعتِ سخی کرم ویکھ کہ سرتا سر حناک  
گزرے ہے آبلہ پا ابرگسہ بارہ سنوز

یک قلم کا غزِ آتش زدہ ہے صفحہ دشت  
نقشِ پا میں ہے تپ گری رفتار، سنوز



(70)

کیوں کر اُس بُت سے رکھوں جان عزیز  
کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز

دل سے نکلا، پتہ نہ نکلا دل سے

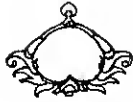
ہے ترے تیر کا پیرکان عزیز

آب لائے ہی بنے گی غالب

واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

دل سے نکلا، پتہ نہ نکلا دل سے

لے بعض نسخوں میں "تپ" بھی چھپا ہے جو "تب" کا ہم معنی ہے۔ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ غالب نے کیا کہا تھا۔



(71)

نہ کُلِ نعمت ہوں نہ پردہ ساز  
میں ہوں اپنی شکست کی آواز

تُو اور آتشِ حنیم کا کُل  
میں اور اندیشہ ہائے دور دراز

لاف تمکین، فریبِ سادہ ولی  
ہم ہیں اور راز ہائے سینہ گداز

ہوں گرفتارِ الفتِ صیاد  
ورنہ باقی ہے طاقتِ پرواز

وہ بھی دن ہو کہ اُس ستگر سے  
ناز کھینچوں بجائے حسرتِ ناز

نہیں دل میں مرے وہ قطرہ خوں  
جس سے رنگاں ہوئی نہ ہو کُل باز

اے ترا عنبر، یک متلم انگیز  
اے ترا قلم، سر بسر انداز

تُو ہوا حبلہ گر، مُبارک ہو  
ریزشِ سجدہ جبین نیاز

مجھ کو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا  
میں غریب اور تُو غریب نواز

اسد اللہ خاں تمام ہوا

اے دروغا! وہ زندہ شاہد باز

دل سے نکلا، پتہ نہ نکلا دل سے

لے بعض نسخوں میں "نہ" کی جگہ "نہ" بھی چھپا ہے۔ نسخہ نظامی (۶۱۸۹۲) میں "نہ" چھپا ہے۔

لے نسخہ حمید علیہ نسخہ طباطبائی، نسخہ حسرت موافقی، نیز قمر، بیخود اور شتر جالندھری کے نسخوں میں، یہاں "دور دراز"

چھپا ہے لیکن نسخہ نظامی (۶۱۸۹۲)، نسخہ عری، اور نسخہ مالک رام، نیز متعدد قدیم نسخوں میں یہاں "دور دراز" ہی

رہتا ہے۔ "دور دراز" (بلا عطف) صحیح فارسی ترکیب ہے جس کی شہادت فرہنگِ آندراج اور شائین کاس کی

فارسی انگریزی لغات سے بھی ملتی ہے۔

## (72) س

مژدہ، اے ذوق اسیری کہ نظر آتا ہے  
 دامِ خالی قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس  
 جگرِ تشنہ آزارِ تسلی نہ ہوا  
 جوئے خوں ہم نے بہائی بُن ہر خار کے پاس  
 مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آئیں ہے ہے  
 خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیمار کے پاس  
 میں بھی رُک رُک کے نہ مڑتا، جو زباں کے بدلے  
 دشنہ اک تیز سا ہوتا مرے غنوار کے پاس  
 وہن شیر میں جا بیٹھیے لیکن اے دل  
 نہ کھڑے ہو جیسے خوابِ دل آزار کے پاس  
 دیکھ کر ہنچھ کو، چمن بسکہ نمونہ کرتا ہے  
 خود بخود پہنچے ہے گل گوشہ دستار کے پاس  
 مر گیا پھوٹ کے سرِ غالب وحشی ہے ہے !  
 بیٹھنا اُس کا وہ آکر تری دیوار کے پاس



## (73) ش

نہ لیوے گر خسِ جوہرِ طراوتِ سبزِ خط سے  
 لگا دے خانہ آئینہ میں روئے نگارِ آتش  
 فروغِ حُسن سے ہوئی ہے حلِ مشکلِ عاشق  
 نہ نکلے شمع کے پاس سے، نکالے گرنہ خارِ آتش

## (74) ع

جادہ رہِ غور کو وقتِ شام ہے تارِ شعاع  
 چرخِ واکرتا ہے ماہِ نو سے آغوشِ وداع



۱۔ بیشتر نسخوں میں "لگا دے" کی جگہ "لگاوے" چھپا ہے۔  
 ۲۔ ممکن ہے غالب نے یہاں "ہوتا ہے" کہا ہو اور "ہوتی ہے" سو مرتب ہو۔



(75)

رُخ نگار سے ہے سوزِ جاودانی شمع  
 ہوئی ہے آتشِ گل، آبِ زندگانی شمع  
 زبانِ اہلِ زباں میں ہے مرگِ خاموشی  
 یہ بات بزمِ میں روشن ہوئی زبانی شمع  
 کرے ہے صرف بہ ایماے شعلہ قصہ تمام  
 بطرزِ اہلِ فنا ہے فنا نہ خوانی شمع  
 غم اُس کو حسرتِ پروانہ کا ہے لے شعلہ  
 ترے لرزے سے ظاہر ہے ناتوانی شمع  
 ترے خیال سے رُوحِ اہتر از کرتی ہے  
 چہ بلوہ ریزیِ باد و بہ پریشانی شمع  
 نشاطِ داغِ عنہم عشق کی بہار نہ پوچھ  
 شگفتگی ہے شہیدِ گلِ خزانِ شمع  
 جلے ہے دیکھ کے بالینِ یار پر مجھ کو  
 نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغِ بدگمانی شمع



(76) ف

بیمِ رقیب سے نہیں کرتے وداع ہوش  
 مجبور، یاں تلک ہوئے اے اختیارِ حیف  
 جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل گئے  
 اے ناتمامیِ نفسِ شعلہ بارِ حیف





(77) ل ک

زخم پر چھڑکیں کہاں طعن لایں بے پروا نمک  
کیا مزہ ہوتا اگر تپ میں بھی ہوتا نمک  
گر و راہ یار ہے سامان ناز زخم دل  
ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا نمک  
مجھ کو ارزانی رہے، تجھ کو مبارک ہو جیو  
نالہ لب لبّل کا درد اور خندہ گل کا نمک  
شورِ جولاں تھا کنا بحسب پرکس کا کہ آج  
گردِ ساحل ہے بہ زخمِ موجِ دریا نمک  
داد دیتا ہے مرے زخمِ حبس کی واہ واہ  
یاد کرتا ہے مجھے، دیکھے ہے مجھ جس جانک  
چھوڑ کر جانا تنِ محبِ مرجع عاشقِ حقیف ہے  
دلِ طلب کرتا ہے زخم اور لگے ہیں اعضا نمک  
غیر کی منت نہ کھینچوں گا پئے تو شیرِ درد  
زخمِ مثلِ خندہ قاتل ہے سترِ پانک

یاد ہیں غالب تجھے وہ دن کہ وجہِ ذوق میں

زخم سے کرتا تو میں لکوں سے چلتا تھا نمک



لہ ایک نسخے میں "واہ واہ" بے تحشیف بھی دیکھا گیا لیکن اکثر قدیم و جدید نسخوں میں "واہ واہ" درج ہے۔  
لہ بعض نسخوں میں "توفیر" کی جگہ "توقیر" چھپا ہے۔ نسخہ نظامی (۱۸۹۲ء) میں "توقیر" درج ہے۔



(78)

اُہ کو چاہیے اک عسراثر ہوتے تھک  
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہوتے تک  
دامِ ہر موج میں ہے حلفتِ صدا کام نہنگ  
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہوتے تک  
عاشقی صبرِ طلب اور تنہا بیتاب  
دل کا کیا رنگ کر دں خونِ جگر ہوتے تک  
ہم نے مانا کہ تعنِ اُفل نہ کرو گے لیکن  
خاک ہو جائیں گے ہم، ثم کو خبر ہوتے تک  
پرتوِ خورشید سے ہے شبِ بنم کو فنا کی تعلیم  
میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہوتے تک  
یک نظر بیشِ نہیں فرصتِ بہتی غافل  
گرمیِ بزم ہے اک رقصِ شر ہوتے تک

غمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جزِ مرگِ علاج

شع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہوتے تک



لہ اک رام صاحب نے لکھا ہے کہ غالب کی زندگی میں دیوان کے چھٹے ایڈیشن شائع ہوئے، اُن میں اس غزل کی ردیف "ہوتے تک" نہیں، راقمِ حروف  
کے مشاہدے کی حد تک بھی اک رام صاحب کے اس قول کی تائید ہوتی ہے مگر مولانا غلام رسول جہان نے ہونے تک کی ردیف کے تحت میں ایک نیم مشروط  
سی دلیل پیش کی ہے حالانکہ سوکتا بت کہیں بھی خارج از اسکان نہیں۔ البتہ اک رام صاحب نے قدیم نسخوں میں رامپور کے نسخہ حمید کا ذکر نہیں  
کیا جس میں ردیف "ہوتے تک" درج ہے۔ راقمِ حروف کی دسلے میں یہ بھی سوکتا بت ہے یا تحریف، کیونکہ آجکل بیشتر اہل ذوق ہونے تک کو صحتی نظر  
سے پسندیدہ سمجھتے ہیں۔ مگر اپنی پسند غالب کے کلام کو عذرِ بدل ڈالنے کا حق ہمیں نہیں دیتی۔ ہر صاحب نے تحریر فرمایا ہے: عرشی صاحب نے  
اب بھی اس کی ردیف "ہوتے تک" ہی رکھی ہے۔ عرشی صاحب کا چونسٹا راقم کی نظر سے گزرا ہے، اُس میں مولانا کے مشاہدے کے یکس اس غزل  
کی ردیف "ہوتے تک" ہی ملتی ہے۔ بہر حال ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ غالب نے کیا کیا تھا۔ (مولے: نسخہ مہر طبع اول اور نسخہ عرشی طبع اول)

## (79) گ

گر تجھ کو ہے یقینِ اجابت دُعا نہ مانگ  
یعنی بغیرِ یکِ دل بے دُعا نہ مانگ  
آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمارِ یاد  
مجھ سے مرے گنہ کا حساب لے خدا نہ مانگ



## (80) ل

ہے کس قدر ہلاکِ فریبِ وفاے گل  
آزادیِ نسیمِ مبارک کہ ہر طرف  
جو تھا سو مروجِ رنگ کے دھوکے میں مر گیا  
خوش حال اُسِ حریفِ سیہِ مست کا کہ جو  
بُلبل کے کاروبار پہ نہیں خند ہاے گل  
ٹوٹے پڑے ہیں حلقہٴ دایم ہواے گل  
اے ولے نالہ لبِ خونیں نواے گل  
رکھتا ہو مثلِ سایہ گل، سر بہ پاے گل  
میرا قریب ہے نفسِ عطر ساے گل  
ریناے بے شراب و دل بے ہولے گل  
سُطوت سے تیرے جلوۂ حُسنِ غیور کی  
تیرے ہی جلوے کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک  
بے اختیار دَوڑے ہے گل در قفاے گل

غالب مجھے ہے اُس سے ہم آغوشی آرزو  
جس کا خیال ہے گلِ حبیبِ قباے گل



لہ لہ عام طور سے مروجہ نسخوں میں "اُس" "اسے" "اُسے" اعراب سے خالی ہیں۔ راقم نے ۱۸۶۲ء کے نسخہ نظامی کو پیش نظر رکھا ہے۔ اعراب اُس میں بھی نہیں ملتے مگر اُس میں "اُس" کو "اوس" اور "اُس" کو "اس" لکھا ہے۔ اسی طرح "اُسے" کو "اوسے" لکھا ہے اور "اُسے" کو "اسے"۔ ذوقِ سلیم ان اعراب کی تصدیق کرتا ہے۔

۸۱ م

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش ازیک نفس  
برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم

مضلیں برہم کرے ہے گنجفربان خیال  
ہیں ورق گردانی نیزنگ یک بست خانہ ہم

باوجود یک جہاں ہنگامہ، پیدائی نہیں  
ہیں چراغ ان شہستان دل پروانہ ہم

ضعف سے ہے، نے قناعت سے، یہ ترک جستجو  
ہیں وبال تکسیر گاہ ہمت مردانہ ہم

دائم اکس اس میں ہیں لاکھوں تمنائیں اسد  
جانتے ہیں سینہ پرنخوں کو زنداں خانہ ہم



۸۲

بہ نالہ حاصل دل بستگی فراموش کر  
متارح خانہ زنجیر، جز خدا معلوم

۸۳

مجھ کو دیار غمیر میں مارا وطن سے دور  
رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

وہ حلقہ ہائے زلف کہیں میں ہیں اے خدا  
رکھ لیجو میرے دعویٰ وارستگی کی شرم

۸۴ ن

لوں وام بخت ٹھنڈے سے یک خواب خوش ولے  
غالب یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں





وہ منبراق اور وہ وصال کہاں  
 وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں  
 فرصت کار و بارِ شوق کسے  
 فوقِ نظائرہ جمال کہاں  
 دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا  
 شورِ سوداے خط و حال کہاں  
 تھی وہ اک شخص کے تصور سے  
 اب وہ عمنافی خیال کہاں  
 ایسا آساں نہیں لہو رونا  
 دل میں طاقتِ جگر میں حال کہاں  
 ہم سے چھوٹا رقا خانہ عشق  
 واں جو حب ویں، گرہ میں مال کہاں  
 منکرِ دنیا میں سرکچہ تانہوں  
 میں کہاں اور یہ وبال کہاں  
 مضجِع ہو گئے قویٰ غالب  
 وہ غماص میں امتِ مال کہاں

مَدَنی مَدَنی مَدَنی مَدَنی مَدَنی

لہ ممکن ہے غالب نے خد و خال کہا ہو۔



کی وفا ہم سے تو غیر اُس کو جفا کہتے ہیں  
 آج ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے  
 اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ، نہیں کچھ نہ کہو  
 دل میں آجائے ہے، ہوتی ہے جو فرصتِ شے  
 ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا سجدو  
 پائے افکار پر جب سے تجھے رحم آیا ہے  
 اک شر و دل میں ہے اُس سے کوئی گھبرائے گا کیا  
 دیکھیے لاتی ہے اُس شوخ کی نخوت کیا رنگ  
 اُس کی ہر بات پر ہم نامِ حُسن کہتے ہیں

وحشت و شیفہ اب مرثیہ کہیں شاید  
 مرگیا غالب آشفستہ، کہتے ہیں



لہ سیال "اُس" کے بجائے "اُس" نہیں پڑھنا چاہیے۔ نسخہ ۱۸۶۲ء میں بھی "اُس" ہی چھپا ہے۔

لہ فارسی میں گھاس کے لیے "گیاہ" اور "گیا" دونوں لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ بعض لغت نویسوں کی رائے ہے کہ لفظ "گیا" صرف خشک گھاس کے لیے مخصوص ہے مگر یہ خیال درست نہیں معلوم ہوتا۔ "مہر گیا" یا "مہر گیاہ" جس کو مرثیہ کیا بھی کہتے ہیں اُس کے بارے میں بھی لغت نویس کسی ایک خیال پر متفق معلوم نہیں ہوتے۔ اُس کے معنی ہم میں محبوب، رنج نگار، سرفراز، اقبال پرست یعنی سورج کی کرنی اور کھنٹی نیز مرثیہ کیاہ کی دو شاخ چڑھو انسان نما بھی جاتی ہے، شامل ہے۔ عوام کا خیال تھا کہ جو شخص اُس گھاس کی جڑ اپنے پاس رکھتا ہے، محبوب اُس پر مہربان اور ہر شخص اُس کا گردیدہ ہو جاتا ہے۔



(87)

ابرو کیا خاک اُس گل کی کہ گلشن میں نہیں  
 ضعیف سے اے گریہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں  
 ہو گئے ہیں جمع اجزاء نے نگاہِ آفتاب  
 کیا کہوں تاریکیِ زندانِ عیشم (اندھیر ہے)  
 رونقِ ہستی ہے عشقِ حسانہ ویراں ساز سے  
 زخمِ سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا طعن  
 بسکہ ہیں ہم اک بہارِ ناز کے مارے ہوئے  
 قطرہ قطرہ اک ہیولی ہے نئے ناسور کا  
 لگی ساقی کی سخت فشلمِ آشامی مری  
 ہونفاِ ضعیف میں کیا ناتوانی کی نمود  
 ہتھی وطن میں شان کیا غالب کہ ہو غربتِ مین  
 بے تکلف ہوں وہ مشتِ خس کہ گلشن میں نہیں



(88)

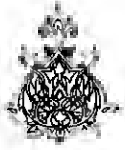
عمدے سے مدحِ ناز کے، باہر نہ آ سکا  
 گر اک ادا ہو تو اُسے اپنی قضا کہوں  
 جلتے ہیں چشمِ ہائے کشادہ بہ سوئے دل  
 ہر تارِ زلف کو ہنگامِ سرمہ سا کہوں  
 میں اور صد مہزار نوائے جگرِ خراش  
 تو اور ایک وہ نہ شنیدن کہ کیا کہوں  
 ظالم مرے گماں سے مجھے منفعل نہ چاہ  
 ہے ہے احسانہ کردہ، تجھے بیوفا کہوں





(89)

مہرباں ہو کے بلا لومجے ، چاہو جس وقت  
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں  
ضعف میں طعنہ اغیار کا شکوہ کیا ہے  
بات کچھ سہ تو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں  
زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ، ستگر ! ورنہ  
کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں



(90)

ہم سے کھل جاؤ بہ وقت مے پرستی ایک دن  
ورنہ ہم چھپیں گے رکھ کر عذریستی ایک دن  
غزوة اوج بناے عالمِ امکاں نہ ہو  
اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایک دن  
قرض کی پیٹے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں  
رنگ لاوے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن  
نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے  
بے صدا ہو جائے گایہ سارِ پستی ایک دن  
دھول دھپا اُس سراپا ناز کا شیوہ نہیں  
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن





(91)

ہم پر چنا سے ترکِ دُعا کا گماں نہیں  
کس مُنہ سے شکر کیجیے اس لطفِ خاص کا  
ہم کو ستمِ عزیز، ستمِ گد کو ہم عزیز  
بوسہ نہیں، نہ دیکھیے دشنام ہی سہی  
ہر چہند جاں گدازی قہر و عتاب ہے  
جاں مُطرب ترانہ ہلّ میں قزیدہ ہے  
خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم  
ہے ننگِ سینہ دل اگر آتش کدہ نہ ہو  
نقصان نہیں جُتوں میں، بلا سے ہو گھر غراب  
کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سر نوشت میں  
پاتا ہوں اُس سے داد کچھ اپنے کلام کی  
اک چھٹی ہے دگر نہ مرادِ امتحان نہیں  
پُرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں  
نامہ رباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں  
آخر زباں تو رکھتے ہو تم گردِ دہاں نہیں  
ق ہر چہند پشت گرمی تاب و توان نہیں  
لب پر وہ سنج زمرہ الاماں نہیں  
دل میں چھری چھو، مژہ گر خوں چکاں نہیں  
ہے عارِ دل نفس اگر آذرِ فشاں نہیں  
سو گز زمین کے بدلے بیا باں گراں نہیں  
گویا بچیں یہ سجدہ بُت کا نشان نہیں  
رُوح القدس اگر چہ مرا ہنر باں نہیں

جاں ہے بہاے بوسہ کیوں کہے ابھی  
غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاں نہیں



(92)

بارغِ دشت نوردی کوئی تدریر نہیں  
ایک چکر ہے مرے پانوں میں، زنجیر نہیں  
شوقِ اُس دشت میں دوڑے ہے مجھ کو کہ جہاں  
جادو غمیرا از جگر دیدہ تصویر نہیں  
حسرتِ لذتِ آزار رہی جاتی ہے  
جادو راہِ وفا، جزدوم شمشیر نہیں  
رنجِ نو میدی جاوید! گوارا رہیو  
خوش ہوں گر نالہ زبونی کشِ تاثیر نہیں  
سر کھاتا ہے، جہاں زخمِ سراچھا ہو جائے  
لذتِ سنگ بہ اندازہ نصیر نہیں  
جب گرمِ رخصتِ بیباکی و گستاخی دے  
کوئی تقصیر بجز خجلتِ تقصیر نہیں

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ  
آپ بے بہرہ ہے، جو معتقدِ سیر نہیں





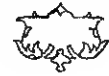
(93)

مت مَرُومک دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں  
ہیں جمع سُویدائے دل چشم میں آہیں



(94)

برشکال گریہ عاشق ہے ، دیکھا چاہیے  
کھل گئی مائندِ گل سو جا سے دیوارِ چمن  
الفتِ گل سے غلط ہے دعویٰ وارستگی  
سرُوب ہے باوصفِ آزادی کو قتلِ چمن



(95)

عشق تاشید سے نومید نہیں  
جاں سپاری شہرِ بید نہیں  
سلطنت دست بہ دست آئی ہے  
جامِ مے حنا تم جمشید نہیں  
ہے تجلی تری سامانِ وجود  
ذرہ بے پر تو خورشید نہیں  
رازِ معشوق نہ رُسوا ہو جاے  
ورنہ مر جانے میں کچھ بھید نہیں  
گروشنِ رنگِ طرب سے ڈر ہے  
عنمِ محرومیِ حباوید نہیں  
کہتے ہیں ، جیتے ہیں اُتسید پہ لوگ  
ہم کو بچینے کی بھی اتسید نہیں





(96)

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں  
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

دل آشفٹگاں خال کُنج دہن کے  
سُودا میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں

ترے سرو قامت سے اک قدر آدم  
قیامت کے رفتے کو کم دیکھتے ہیں

تماشا! کہ اے محو آئینہ داری  
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

سُراخِ قلبِ نالہ لے واغِ دل سے  
کہ شبر و کا نقش قدم دیکھتے ہیں

بنا کر فقیروں کا ہم بھیں غالب  
تماشاے اہل کرم دیکھتے ہیں

~~~~~

لے بعض نسخوں میں "کہ" کی جگہ "کر" چھپا ہے۔ نسخہ نظامی: "کہ"



(97)

ملتی ہے غم سے یار سے نارِ التہاب میں
کافر ہوں، گر نہ ملتی ہو راحتِ عذاب میں

کب سے ہوں، کیا بناؤں، جہاں غراب میں
شب بٹے جب کہ کو بھی رکھوں گرجاں میں

تا پھر نہ انتظاں میں نیند آئے عمر بھر
آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

مجھ تک کب اُن کی بزم میں آتا تھا دورِ جام
ساقی نے کچھ بلانہ دیا ہو شراب میں

جو منکر وفا ہو، فریب اُس پہ کیا چلے
کیوں بدگماں ہوں دوستِ دشمن کے باب میں

میں مضطرب ہوں وصل میں خوفِ رقیب سے
ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں

میں اور خطِ وصل، خدا ساز بات ہے
جان نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

ہے تیوری چپ بھی ہوئی اندر نقاب کے
ہے اک شکن ٹپری ہوئی طرفِ نقاب میں

لاکھوں لگاؤ، ایک چہرہ انا نگاہ کا
لاکھوں بناؤ، ایک بگڑنا عتاب میں

وہ نالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے
جس نالے سے شگاف پڑے آفتاب میں

وہ سخن مدعا طلبی میں نہ کام آئے
جس سخن سے سفینہ رواں ہو شراب میں

غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی

پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہتاب میں

~~~~~



(98)

کل کے لیے کر آج نہ خست شراب میں      یہ سو وطن ہے ساقی کوثر کے باب میں  
ہیں آج کیوں ذلیل، کہ کل تک نہ تھی پسند      گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں  
جاں کیوں بھٹکنے لگتی ہے تن سے دم سماع      گروہ صدا سمانی ہے چنگ و رباب میں  
رو میں ہے ریش عسکریاں دیکھیے تھے      نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پاس ہے رکاب میں  
اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُد ہے      جتنا کہ وہ غمیر سے ہوں پیچ و تاب میں  
اصل شہود و شاہد و شہود ایک ہے      خیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں  
ہے شہیل نمودِ صورت پر وجودِ بحر      یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و جناب میں  
شرف اک ادائے ناز ہے، اپنے ہی سے سہی      ہیں نکتے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں  
آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز      پیش نظر ہے آئینہ اتم نقاب میں  
ہے غیبِ غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود      ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوجہ دوست  
مشغول حق ہوں بندگی بوتراب میں



لہ نسخہ نظامی مطبوعہ ۱۸۶۷ء میں "تکلی" جو "تھکے" چھپا ہے۔ یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔



(99)

خیراں ہوں، دل کو روؤں کہ پٹیوں جگر کو میں      مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں  
چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں      ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں  
جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار      لے کاش جاتا نہ ترے رگہز کو میں  
ہے کیا جو کس کے باندھے میری بلاؤں سے      کیا جاتا نہیں ہوں تمھاری کمر کو میں  
لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ نام ہے      یہ جاتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں  
چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ      پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں  
خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار      کیا پوچھتا ہوں اُس بُت بیداگر کو میں  
پھر بخود ہی میں بھول گیا راہ کوے یار      جاتا ورنہ ایک دن اپنی خبر کو میں  
اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل ہوس کا      سمجھا ہوں دل پذیر مستراح ہنر کو میں

غالب خدا کرے کہ سوارِ سنداناز  
دیکھوں علی بابا درِ عالی گھر کو میں





۱۰۰

و کرمیرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں  
وعدہ سیرِ گلستاں ہے، خوشا طالع شوق  
شاہدِ ہستی مطلق کی کر ہے عالم  
قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے وریا لیکن  
حسرت، اُسے ذوقِ خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی  
میں جو کہتا ہوں کہ ہم لیں گے قیامت میں تمہیں  
ظلم کر ظلم، اگر لطفِ دروغ آتا ہو  
صاف وردی کش پیمانہ جہم ہیں ہم لوگ

غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دُور نہیں  
مژدہ قتلِ مُعتدّر ہے جو مذکور نہیں  
لوگ کہتے ہیں کہ ہے، پر ہمیں منظور نہیں  
ہم کو امتیازِ تنگِ نفسی منظور نہیں  
عشق پر عسکرِ بدہ کی گوں تن رنجور نہیں  
کس رُخسوت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں  
تو تغافل میں کسی رنگ سے محذور نہیں  
و اے وہ بادہ کہ افسردہ انگور نہیں

ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب

میرے دعوے پر یہ محبت ہے کہ مشہور نہیں



۱۰۱

نالہ، جُز حُسنِ طلب اے ستمِ ایجاد، نہیں  
عشق و مُردوریِ عشرت کہ خسرو کیا خوب  
کم نہیں وہ بھی خرابی میں یہ وسعت معلوم  
اہلِ بنیث کو ہے طوفانِ حوادثِ مکتب  
و اے محرومیِ تسلیم و بدا حال و نا  
رنگِ تکلیفِ گل و لالہ پریشاں کیوں ہے  
سبِ گل کے تلے بند کرے سبے گلچیں  
نفسی سے کرتی ہے اثباتِ تراوش گویا  
کم نہیں جلوہ گری میں تے کو چہ سے پرشت

ہے تقاضاے جفا، شکوہ بیداد نہیں  
ہم کو تسلیم نہ کو نامی و نہ یاد نہیں  
دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھریا د نہیں  
لطمہ موجِ کم از سیلیِ استاد نہیں  
جانتا ہے کہ ہمیں طاقتِ فریاد نہیں  
گر چہ امان سرِ رگزرِ باد نہیں  
مژدہ! اے مرغ، کہ گلزار میں صیاد نہیں  
دی ہے جلتے دہن اُس کو، دمِ ایجاد نہیں  
یہی نقشہ ہے، و لے اس قدر آباد نہیں

کرتے کس مُنہ سے ہو غربت کی شکایت غالب

تم کو بے مہرِ یارانِ وطن یاد نہیں؟



لہ اثبات غالباً بالاتفاق ذکر ہے۔ غالب نے خود دوسری جگہ اس لفظ کو بصیغہ مذکر استعمال کیا ہے۔  
تاہم غالب کا یہ شعر اس لفظ کی تائید کا بھی جواز پیدا کر دیتا ہے۔



102

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا  
یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

تھک تھک کے ہر مقام پہ دوچار رہ گئے  
تیرا پستانہ پائیں تو ناچار کیا کریں

کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہل بزم  
ہو عزم ہی جاں گداز تو غمخوار کیا کریں



103

ہو گئی ہے غم کی شیریں بیانی کا رگر  
عشق کا اُس کو گماں ہم بے زبانوں پر نہیں



104

قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشتِ قیس میں آنا  
تعجب سے وہ بولا: "یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں"

دل نازک پہ اُس کے رحم آتا ہے مجھے غالب  
نہ کر سرگرم اُس کا فکر کو الفت آزمانے میں



105

دل لگا کر لگ گیا اُن کو بھی تنہا بیٹھنا  
بارے اپنی بیکسی کی ہم نے پائی داد یاں

ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تم  
مہر گردوں ہے چرخِ رگزارِ باد یاں





106

یہ ہم جو حجب میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں  
 کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں  
 وہ آئے گھر میں ہمارے، خدا کی قدرت ہے  
 کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں  
 نظر لگے نہ کہیں اُس کے دست و بازو کو  
 یہ لوگ کیوں برے جنم جگر کو دیکھتے ہیں  
 ترے جواہر طرفِ گلہ کو کس دیکھیں  
 ہم اوجِ طالعِ لعل و گنز کو دیکھتے ہیں



لے آج کل اکثر نسخوں میں "آئیں" چھپتا ہے مگر قدیم نسخوں میں "آئے" ہی ملتا ہے جو بجائے خود درست ہے، یعنی  
 "وہ آئے ہیں"۔ نسخہ نظامی سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ غالب کا لفظ "آئے" ہے۔



107

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقادت نہیں  
 شبِ سداق سے روزِ جزا زیاد نہیں  
 کوئی کہے کہ شبِ مہ میں کیا بُرائی ہے  
 بلا سے، آج اگر دن کو ابر و باد نہیں  
 جو آؤں سامنے اُن کے تو مرجبا نہ کہیں  
 جو جاؤں وال سے کہیں کو تو خیر باد نہیں  
 کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں  
 کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں!  
 علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب  
 گداے کو چہرے حسانہ نامراد نہیں  
 جہاں میں ہو غم و شادی ہم، ہمیں کیا کام!  
 دیا ہے ہم کو حُسن نے وہ دل کہ شاد نہیں  
 تم اُن کے وعدے کا ذکر اُن سے کیوں کرو غالب  
 یہ کیا کہ تم کو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں





(108)

تیرے تون کو صبا باندھتے ہیں  
 ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں  
 آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے  
 ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں  
 تیری فرصت کے مقابلے عزم  
 برق کو پا بہ جنا باندھتے ہیں  
 قید ہستی سے رہائی معلوم  
 اشک کو بے سرو پا باندھتے ہیں  
 نشہ رنگ سے ہے واشدِ گل  
 مست کب بندِ قبا باندھتے ہیں  
 غلطی ہائے مضامین مست پوچھ  
 لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں  
 اہل تدبیر کی دامانگیاں  
 آبلوں پر بھی جنا باندھتے ہیں  
 سادہ پرکار ہیں خواباں، غالب  
 ہم سے پیمان وفا باندھتے ہیں



(109)

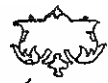
زمانہ سخت کم آزار ہے، بہ جانِ اسد و گرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں



(110)

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں  
 خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں  
 کیوں گردشِ مدام سے گھبرانہ جاے دل  
 انسان ہوں، پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں  
 یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے  
 لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں  
 حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے  
 آخر گناہگار ہوں، کافر نہیں ہوں میں  
 کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے  
 لعل و زمرّد و زر و گوہر نہیں ہوں میں  
 رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ  
 رُستبے میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں  
 کرتے ہو مجھ کو منحِ قدم کو کس کس لیے  
 کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں  
 غالب و طیفہ خوار ہو، دو شاہ کو دُعا  
 وہ دن گئے کہ کتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

لے بعض نسخوں میں کہ "کی جگہ" جو چھاپا ہے۔ نسخہ نظامی: "کہ"



سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں  
یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آہنیاں  
تھیں نباتِ لغشِ گردوں دن کو پرے میں نہاں  
قید میں یعقوب نے لی، گو، نہ یوسف کی خبر  
سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زبانِ مصر  
جڑے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق  
ان پر پی زادوں سے لیں گے خلد میں ہم انتقام  
نہیں اُس کی ہے، و لاغ اُس کا ہے، راتیں اُس کی ہیں  
میں چمن میں کیا گیا، گویا دُستِ ماں کھل گیا  
وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یا رب دل کے پار  
بسکہ روکا میں نے اور سینے میں اُبھریں پے پے  
واں گیا بھی میں تو اُن کی گالیوں کا کیا جواب  
جاں فرزا ہے بادہ، جس کے ہاتھ میں جام آگیا  
ہم موحّد ہیں، ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم  
رج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج

یوں ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہل جہاں

دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

لے جنازے کے آگے آگے چلنے والی نام دار لکھیاں؟ یہاں یہ لفظ غالباً "ان" کی جمع کے طور پر استعمال نہیں ہوا غالب نے صیغہ تانیث استعمال کیا ہے۔  
لے یا دگار غالب، طبع دوم، صفحہ ۱۳۶۔ مولانا حالی نے یہ صریح یوں لکھا ہے: جس کے بازو پر تری زلفیں پریشاں ہو گئیں



دیوانگی سے دوش پہ زُنا رہی نہیں  
دل کو نسیا ز حسرت دیدار کر چکے  
ملتا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے  
بے عشقِ عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یہاں  
شوریدگی کے ہاتھ سے ہے سروِ بالِ دوش  
گنجائشِ عداوتِ غبارِ یک طرف  
ڈرنا لہ ہاے زار سے میرے، خدا کو مان  
دل میں ہے یار کی صفِ شرکاں سے کشتی  
اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا  
یعنی، ہمارے حبیب میں اک تار بھی نہیں  
دیکھا تو ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں  
دُشوار تو یہی ہے کہ دُشوار بھی نہیں  
طاقت بہ قدر لذت آزار بھی نہیں  
صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں  
یاں دل میں ضعف سے ہوں یار بھی نہیں  
آخر نولے مرغِ گرفتار بھی نہیں  
حالانکہ طاقتِ غلبہ حنا بھی نہیں  
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

دیکھا اس کو خلوت و خلوت میں بارہا

دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

دیکھا اس کو خلوت و خلوت میں بارہا

لے "جیب" بمعنی "گریبان" مذکر ہے اور اس لفظ کا تلفظ جیم مستوح سے ہوتا ہے۔ چونکہ دیوان غالب کے قدیم نسخوں میں عموماً  
یائے خطی ہی استعمال ہوئی ہے، اس لیے دیوان کے جدید متداول نسخوں میں بھی "ہماری جیب" (بجائے ہمارے جیب) چھپ  
گیا اور یہ غلطی عام ہو گئی۔ "جیب" رفتہ رفتہ، مجازاً، بمعنی "رکیشہ" استعمال ہونے لگا، کیونکہ خود عرب لوگ بھی گریبان کے  
اندر رکیشہ رکھتے تھے۔ اردو اور فارسی میں یہ لفظ بمعنی "رکیشہ" علی الترتیب یا بے محمول اور یا بے معارف سے بولا جاتا ہے  
اردو میں جیب (معنی "رکیشہ") مونس ہے۔

لے بعض نسخوں میں "اور یاں" چھپا ہے۔ نسخہ نظامی ۱۸۶۶ء میں "اور یہاں" درج ہے۔

لے بعض نسخوں میں "یک کی جگہ" "اک" درج ہے۔



113

نہیں ہے زخم کوئی بنیچے کے درخور مجھے تن میں  
ہوئی ہے مانع ذوق تماشا خانہ ویرانی  
و دلچیت خانہ بیدا و کاوش لے کر گاں ہوں  
بیاں کس سے ہو غلٹ گسٹری میسے شہستان کی  
بھوکہش مانع بے رطلی شور جنوں آئی  
ہوئے اُس مہر و کش کے جلوہ تماش کے آگے  
نہ خانوں نیک ہوں یا بد ہوں پر صحبت نجاف ہے  
ہزاروں دل دیے جو شس جنوں عشق نے مجھ کو  
ہوا ہے تارِ اشک یاس رشتہ چشم سوزن میں  
کھٹ سیلاب باقی ہے برنگ پنبہ روزن میں  
نہجین نام شاہد ہے مرا ہر قطرہ خون تن میں  
شب مر ہو جو رکھ دیں پیہ دیواروں کے روزن میں  
ہوا ہے خندہ احباب بخجیہ جیب و دان میں  
پر افشاں جوہر آئینے میں مہشل ذرہ روزن میں  
جو گل ہوں تو ہوں گلشن میں جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں  
سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خون تن میں

اسد زندانی تاثیرِ الفت لے خواباں ہوں  
خیم دست نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں



لہ اکثر قدیم و جدید نسخوں میں "مرا" کی جگہ "مرے" چھپا ہے اور شاعرین نے بلاچون و چرا اسی طرح اس کی شرح کر دی ہے۔ قدیم نسخوں میں  
صرف "نہجین" "میں" "مرا" چھپا ہے اور یہ درست معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے غالب نے بھی یہی لکھا ہو کیونکہ اس سے شعر بہت صاف  
ہو جاتا ہے۔ ورنہ یہ تعقید بہ درجہ عجیب معلوم ہوتی ہے۔ نسخہ حمید یہ طبع اول میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ "مرے" کو کاٹ کر کاپی یا پتھر پر  
"مرا" بنایا گیا ہے۔ بہر حال چونکہ اس طرح شعر صاف ہو جاتا ہے ہم نے بھی بعض دوسرے جدید مرتبین کی طرح "مرا" کو ترجیح دی۔



114

مرے جہان کے، اپنی نظر میں خاک نہیں  
سوائے خونِ حبس، سو جگر میں خاک نہیں  
مگر، غبار ہوئے پر ہوا اڑا لے جاے  
و گرنہ تاب و توان بال و پر میں خاک نہیں  
یہ کس بہشت شمال کی آمد آمد ہے  
کہ غمِ حبسِ جلوہ گل رہ گزیر میں خاک نہیں  
بھلا اُسے نہ سہی کچھ مجھی کو جسم آتا  
اثرِ مرے نفسِ بے اثر میں خاک نہیں  
خیالِ حبسِ جلوہ گل سے خراب ہیں نسکیش  
شراب خانے کے دیوار و در میں خاک نہیں  
ہوا ہوں عشق کی غارت گری سے شرمندہ  
سوائے حسرتِ تمہید گھر میں خاک نہیں

ہمارے شعر میں اب صرف دل لگی کے اسد  
کھلا کہ فائدہ عرضِ مہند میں خاک نہیں







115

دل ہی تو ہے نہ گناہ نہ خشت درو سے بھرنے آئے کیوں  
دیر نہیں جسم نہیں، در نہیں، آستان نہیں  
جب وہ جمال دل فروز صورت مہر نیم روز  
دشنہ غمزہ جاں رستاں، ناوک ناز بے پناہ  
قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں  
حسن اور اس چمن ظن رہ گئی بواؤس کی شرم  
واں وہ غرور و عجز و ناز، یاں یہ حجاب پاس وضع  
ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی  
رو میں گے ہم زار بار، کوئی ہیں ستارے کیوں  
بیٹھے ہیں رگزار پہ ہم غمیشہ ہمیں اٹھائے کیوں  
آپ ہی ہو نظارہ سوز پرے میں منہ چھپائے کیوں  
تیرا ہی عکس رخ سہی سامنے تیرے آئے کیوں  
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں  
اپنے پر استجاد ہے غم کو آواز کیوں  
راہ میں ہم ملیں کساں بزم میں وہ ملے کیوں  
جس کو بودین و دل عزیز اس کی گلی میں جاے کیوں

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند رہیں  
روستے زار زار کیا، کیجیے ملے ملے کیوں



لے قدیم نسخوں میں یہاں غمیشہ ہی چھپا ہے۔ قدیم نسخہ نظامی میں بھی غمیشہ ہے۔ نسخہ حمیدیت میں غیر کوئی چھپا ہے۔ عرشی حشر انی اور مالک رام نے بھی متن میں غمیشہ ہی رکھا ہے۔ ہر صاحب نے کوئی کو ترجیح دی ہے مگر اس طرح پہلے دونوں شعروں میں کوئی ہیں کا کھڑا پتلا آجاتا ہے۔ اگر صرف یہ شعر نظر ہو تو البتہ کوئی پسندیدہ معلوم ہوتا ہے۔



116

غنچہ ہاشگفتہ کو دور سے مت دکھا، کہ یوں  
پرسش طرز دلبری کیجیے کیا کہ بن کے  
رات کے وقت سے پیسے ساتھ قریب کر لے  
غیر سے رات کیا بنی، یہ جو کہا تو دیکھیے  
بزم میں اس کے روبرو کیوں نہ خموش بیٹھیے  
میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیے غیر سے ہتی  
مجھ سے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح  
کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی  
گر ترے دل میں ہو خیال، وصل میں شوق کا زوال  
جو یہ کہے کہ رنجستہ کیوں کہ ہو رشکِ فارسی  
گفتہ غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں



۱۱۷ (و)

حسد سے دل اگر آفرودہ ہے، گرم تماشا ہو  
کہ چشم تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو

بہ قدر حسرتِ دل، چاہیے ذوقِ معاصی بھی  
بھروں یک گوشہ دامن، گر آپ ہفت دریا ہو

اگر وہ سرو قد، گرم حیدام ناز آجاوے  
کہٹ ہر خاکِ گلشن، شکلِ قمری، نالہ فرسا ہو



لے شاعرین اس ترکیبِ مقلوب کا ذکر کیے بغیر اس شعر کی شرح کرتے رہے ہیں۔



۱۱۸

کعبے میں جا رہا، تو نہ دو طعنہ، کیا کہیں  
بھولا ہوں حقِ صحبتِ اہلِ کُشت کو؟

طاعت میں تا، رہے نہ مے و انگبین کی لاگ  
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر ہشت کو  
ہوں مُخرف نہ کیوں رہ و رسمِ ثواب سے

ٹیڑھا لگا ہے قُطْمِ سرِ نُوشْت کو  
غالب کچھ اپنی سعی سے لُنا نہیں مجھے  
خُرمِن جلے، اگر نہ کھائے کُشت کو



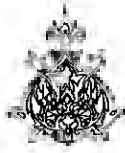


(119)

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو  
چھوڑا نہ مجھ میں صنعت نے رنگِ سختِ لاط کا  
ہے مجھ کو تجھ سے تذکرہ غیب کا گلہ  
پنیا ہوئی ہے، کہتے ہیں، ہر درد کی دوا  
ڈالا نہ بیکسی نے کسی سے معالہ  
ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال  
ہنگامہ زبونی بہمت ہے انفعال  
وارستگی بہانہ بیگانگی نہیں  
ملتا ہے وقتِ فرصت ہستی کا غم کوئی؟  
کیجے ہمارے ساتھ، عداوت ہی کیوں نہ ہو  
ہے دل پہ بارِ نقشبِ محبت ہی کیوں نہ ہو  
ہر چہرہ بر سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو  
یوں ہو تو چارہ عنہم اُلفت ہی کیوں نہ ہو  
اپنے سے کھینچتا ہوں، تجالوت ہی کیوں نہ ہو  
ہم آہن سمجھتے ہیں جنسِ لوت ہی کیوں نہ ہو  
حاصل نہ کیجے دہرے، عورت ہی کیوں نہ ہو  
اپنے سے کر، نہ غیر سے، وحشت ہی کیوں نہ ہو  
عمرِ عزیزِ ضربِ عبادت ہی کیوں نہ ہو

اُس فتنہ خو کے در سے اب اٹھتے نہیں اسد

اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو



(120)

قفس میں ہوں، گرا چھا بھی نہ جانیں میسے شیون کو  
نہیں گہرِ ہمدی آساں، نہ ہو، یہ رشک کیا کم ہے  
نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اُس جراحِ پر  
خدا شرمائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش میں  
ابھی ہم قتل گد کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں  
ہوا چرچا جو میرے پاؤں کی زنجیر بننے کا  
خوشی کیا، کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آئے  
دنا داری بشرطِ استواری، جہلِ ایماں ہے  
شہادتِ تھی مری قیمت میں، جو دی تھی یہ جو مجھ کو  
نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا  
رہا کھٹکا نہ چوری کا دُعا دیتا ہوں بہن کو  
سخن کیا کہ نہیں سکتے کہ جو یا ہوں جو اہر کے؟  
جگہ کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھودیں جا کے معدن کو؟

مرے شاہِ سلیمان جاہ سے نسبت نہیں غالب

فریدون و بجم و کیخسرو و دارا ب و بہن کو



لے پاؤں، پاؤں۔



121

دھوتا ہوں جب میں پینے کو اُس سیم تن کے پاؤں  
دی ساوگی سے جان، پڑوں کو کہن کے پاؤں  
بھاگے تھے ہم بہت، سو اُسی کی سزا ہے یہ  
مرہم کی جُبتجو میں پھرا ہوں جو دُور دُور  
اندھے ذوقِ دشتِ نوردی، کہ بعدِ مرگ  
ہے جو شش گُل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف  
شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں  
رکھتا ہے ضد سے، کھینچ کے باہر لگن کے پاؤں  
بہات اکیوں نہ ٹوٹ گئے پیر زن کے پاؤں  
ہو کر اسیرِ دہشتے ہیں اُس زن کے پاؤں  
تن سے سوا فکار ہیں اس خستہ تن کے پاؤں  
ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤں  
اڑتے ہوئے، اُچھتے ہیں مرغِ چمن کے پاؤں  
دکھتے ہیں آج اُس بُتِ نازک بدن کے پاؤں

غالب! مرے کلام میں کیونکر مزہ نہ ہو  
پیتا ہوں دھوکے خُسر و شیریں سخن کے پاؤں



122

واں اُس کو ہولِ دل ہے، تو یاں میں ہوں شرمسار  
یعنی، یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو  
اپنے کو دیکھتا نہیں، ذوقِ رستم تو دیکھ  
آئینہ تا کہ دیدہ پنجیر سے نہ ہو

دیکھ دیکھ دیکھ دیکھ دیکھ دیکھ

لے جب تک -

لے پاؤں کا یہ اِلاب قریب قریب متروک ہے۔

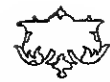


123

واں پہنچ کر جو غش آتا ہے ہم ہے ہم کو  
دل کو میں اور مجھے دلِ مچو وفا رکھتا ہے  
ضُعت سے نقشِ پے مُور ہے طوقِ گردن  
جان کر کیجے تغافل کہ کچھ اُتہید بھی ہو  
رُشکِ ہم طرحی و دُرُو اثرِ بانگِ حزن  
سر اُڑانے کے جو وعدے کو نکر چاہا  
دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ، ولیکن ناچار  
تم وہ نازک کہ خموشی کو فُضال کہتے ہو  
لکھنو آنے کا باعث نہیں کھلتا، یعنی  
مقطیعِ سلسلہ شوق نہیں ہے یہ شہر  
عزمِ سیرِ نجف و طوفِ حرم ہے ہم کو  
صدرِ آہنگِ زمیں بوسِ قدم ہے ہم کو  
رکسِ قدرِ ذوقِ گرفتِ رنی ہم ہے ہم کو  
تیرے کوپے سے کہاں طاقتِ رم ہے ہم کو  
یہ نگاہِ غلطِ انداز تو سہم ہے ہم کو  
نالہِ مرغِ سحر تیغِ ددِ دم ہے ہم کو  
ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہم کو  
پاسِ بے رونقیِ دیدہ اہم ہے ہم کو  
ہم وہ عاجز کہ تَنافُض بھی رستم ہے ہم کو  
ن ہوئیں سیر و تماشا، سودہ کم ہے ہم کو  
عزمِ سیرِ نجف و طوفِ حرم ہے ہم کو

لیے جاتی ہے کہیں ایک تَوَقُّعِ غالب  
جادہِ رہ کششِ کافِ گرم ہے ہم کو





تم جانو، تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو  
مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

بچتے نہیں مواخذہ روزِ حشر سے

قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو  
کیا وہ بھی بگڑے کش و حق ناشکاش ہیں

مانا کہ تم بشر نہیں، خورشید و ماہ ہو  
اُبھرا ہوا نقاب میں ہے اُن کے ایک تار

مرا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو  
جب مسکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید

مسجد ہو، مدرّسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو  
سُنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب دُرست

لیکن خدا کرے وہ بڑا جلوہ گاہ ہو

غالب بھی گرنے ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں

دُنیا ہو یا رب اور مرا بادشاہ ہو

دَلّی دَلّی دَلّی دَلّی دَلّی دَلّی

لے نسخہ نظامی طبعِ اول میں حق ناسپاس چھپا ہے۔ ایک آدھ اور قدیم نسخے میں بھی لیں ہی بلا ہے مگر بعض دوسرے قدیم نسخوں میں ناشناس بھی چھپا ہے۔ جدید نسخوں میں مالکِ رام نے حق میں ناسپاس اور طباطبائی، حسرت موہانی، عرشی اور محمد نجف نے ناشناس درج کیا ہے۔ یہی درست معلوم ہوتا ہے۔

لے نسخہ نظامی طبعِ اول میں اور دیگر نسخوں میں بشمول نسخہ حسرت موہانی، نسخہ طباطبائی و نسخہ عرشی یہاں ترا ہی درج ہے۔ نسخہ حمیدیر طبعِ اول اور نسخہ تہرین تری چھپا ہے۔



گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو  
ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے ناممّال  
کہ گرنے ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو  
ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے  
حیا ہے اور یہی گو گو گو تو کیونکر ہو  
بُتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیونکر ہو  
تھیں کہو کہ گزارا صنم پرستوں کا  
اُبھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ  
جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیونکر ہو  
جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا  
وہ شخص دن نہ سکے رات کو تو کیونکر ہو  
ہمیں پھر اُن سے اُمید اور اُنھیں ہماری قدر  
غلط نہ تھا ہمیں خط پر گماں تلی کا  
نہ مانے دیدہ دیدار جو تو کیونکر ہو  
بتاؤ، اُس مژدہ کو دیکھ کر، کہ مجھ کو قرار  
یہ نیش ہو رگِ جاں میں فرو تو کیونکر ہو

مجھے جنوں نہیں غالب و لے بہ قولِ حضور  
فراقِ یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو



لے یہ مصرع بہادر شاہ ظفر کا ہے۔



126

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو  
وہ اپنی غم نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں  
کیا غمخوار نے رسوا، لگے اگل اس محبت کو  
وفا کیسی، کہاں کا عشق، جب سر پھوڑنا ٹھہرا  
قفس میں مجھ سے رُوداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم  
یہ کہہ سکتے ہو، ہم دل میں نہیں ہیں، پر یہ بت لاؤ  
غلط ہے جذب دل کا شکوہ، دکھو مجھ کس کا ہے  
یہ فتنہ آدمی کی حسانہ ویرانی کو کیا کم ہے  
یہی ہے آزارنا، توستانا کس کو کہتے ہیں  
کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی  
نہ سچ کہتے ہو، پھر کہو کہ ہاں کیوں ہو

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب

ترے بے مہر کنے سے وہ تجھ پر مسراں کیوں ہو



لے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ خود غالب نے "وضع کیوں بدلیں" کہا تھا۔



127

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو  
ہم سنج کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو  
بلے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے  
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاساں کوئی نہ ہو  
پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو بیٹا ردار  
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو



لے بعض اہل فنوں میں "بیمار دار" کی جگہ "تیار دار" چھپا ہے مگر نسخہ نظامی مطبوعہ ۱۸۹۶ء اور اُس کے قریبی عہد کے جواٹھ نسخے  
لفظ سے گزرے اُن سب میں "بیمار دار" چھپا ہے۔ مالک رام صاحب اور عرشی صاحب کے نسخہ جدید فنون میں بھی "بیمار دار"  
ہی درج ہے۔ بظاہر یہی غالب کا لفظ ثابت ہوتا ہے۔ نسخہ حمید علی طبع اول میں "تیار دار" کا اندراج شاید سہو کنایت ہے  
نسخہ تہر میں بھی "تیار دار" ممکن ہے، یہیں سے لیا گیا ہو بعض اور اصحاب نے بھی اپنے فنون میں "تیار دار" غالباً اس لیے  
رکھا ہے کہ آج کل یہ لفظ اردو میں عام طور سے مستعمل ہے۔ مگر "بیمار دار" اس مفہوم میں قابل ترجیح ہے کیونکہ اس کا ایک ہی  
مقرر مفہوم ہے جو بیمار اور تیار دار کا نہیں چنانچہ فارسی میں ان الفاظ کے دوسرے معانی بھی ہیں۔ علاوہ ازیں غالب کا کوئی  
لفظ ٹکڑا بدلنے سے احتراز واجب ہے۔ یہی حاشیہ غالب کے اس شعر پر بھی حوت بہ حوت صادق آتا ہے :

لو، ہم مریض عشق کے بیمار دار ہیں

اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج

(128) د ل ع

از مہر تا بہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ  
طوطی کو شش چہیت متقابل ہے آئینہ

(129) د ل ع

ہے سبزہ زار ہر در و دیوار غم سکدہ  
جس کی بہار یہ ہو پھر اُس کی خزاں نہ پوچھ  
ناچار بیکسی کی بھی حسرت اٹھائیے  
دُشوار ہی رہ و ستم ہماراں نہ پوچھ



(130) د ی ع

صد جملہ رُو بہ رُو ہے، جو مژگاں اٹھائیے  
طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے

ہے نگ پر براتِ معاشِ جنوںِ عشق  
یعنی ہمنوازِ مینتِ طغیلاں اٹھائیے

دیوارِ بارِ مینتِ مُزدور سے ہے حُسنِ  
اے خانقاہِ خراب نہ احساں اٹھائیے

یا میرے حُسنِ رشک کو رُسوا نہ کیجیے  
یا پردہ تبسمِ پنہاں اٹھائیے





(131)

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے      بھول پاس آنکھ، قبلہ حاجات چاہیے  
عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر      آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے  
وے داو اے فلک دل حسرت پرست کی      ہاں کچھ نہ کچھ تلافی مافات چاہیے  
سیکھے ہیں مہ رنوں کے لیے ہم مصوری      تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے  
مے سے غرض نشاط ہے کس رُوسیاہ کو      اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے  
ہے رنگ لالہ دگل و نسری حب احبدا      ہر رنگ میں ہمار کا اثبات چاہیے  
سراپے غم پہ چاہیے ہنگام بیخودی ق      رُوسوے قبلہ وقت مناجات چاہیے  
یعنی بہ حسب گردش پیمانہ صفات      عارف ہمیشہ مست مے ذات چاہیے  
نشو و نما ہے اصل سے غالب فروغ کو  
خاموشی ہی سے نکلے ہے، جو بات چاہیے

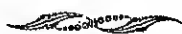


لے یہاں کی کے بجائے کو معنوی لحاظ سے غلط ہے، کیونکہ شاعر خود داوطلب ہے جیسے اس مصرع میں :  
ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی بے داد  
بعض اچھے نسخوں میں کو "سوا چھاپا ہے۔"



(132)

بساطِ عجز میں تھا ایک دل، یک قطرہ خوں وہ بھی  
سورہتا ہے بہ اندازِ چکبند سرنگوں وہ بھی  
رہے اُس شوخ سے آزرده ہم چندے تکلف سے  
تکلف برطرف، تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی  
خیال مرگ کب تسکین دل آزرده کو بخشے  
مرے دامنِ مست میں ہے اک صیدِ رُبوں وہ بھی  
نہ کتا کاش نالہ، مجھ کو کیا معلوم تھا ہم  
کہ ہوگا باعثِ افزائش درو دروں وہ بھی  
نہ اتنا بڑبڑش تیغِ جہنم پر ناز و فداؤ  
مرے دریاے بے تابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی  
مے عشرت کی خواہش ساقیِ گروں سے کیا کیجے  
لیے بیٹھا ہے اک دو چار جامِ واژگوں وہ بھی  
مرے دل میں ہے غالب شوقِ وصل و شکوہ ہجران  
خدا وہ دن کرے، جو اُس سے میں یہ بھی کوں وہ بھی



لے طباطبائی نے لکھا ہے کہ ان اعداد کے مجموعے سے سات آسمان پورے ہو جاتے ہیں۔





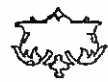
133

ہے بزمِ بہستاں میں سُخنِ آزرده لبوں سے  
تنگ آئے ہیں ہم، ایسے خوشامدِ طلبوں سے  
ہے دورِ مدح و جبرِ پیشانیِ صہب  
یک بار لگا دو خُمِ میرے لبوں سے  
رندانِ درِ مسیکہ گستاخ ہیں زاہد  
زینہ سار نہ ہونا طرفِ ان بے ادبوں سے  
بیدارِ وفا دیکھ کہ جاتی رہی آجند  
ہر چند مری جان کو تھا رُبط لبوں سے



134

تا، ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا  
سُن لیتے ہیں، گو ذکرِ ہمارا نہیں کرتے  
غالبِ ترا احوالِ سُنادیں گے ہم اُن کو  
وہ سُن کے بُلالیں، یہ اجارا نہیں کرتے



135

گھر میں تھا کیا، کہ ترا غم اُسے غارت کرتا  
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرتِ تعمیرِ سو ہے



136

غمِ دنیا سے گر پانی بھی فرصت سر اٹھانے کی  
فلک کا دیکھنا تقریبِ تیرے یاد آنے کی  
کھلے گا کس طرح مضمونِ مرے مکتوب کا، یارب  
قسم کھائی ہے اُس کا فرنے کاغذ کے جلائے کی  
لپٹنا پر نیاں میں شعلہ آتش کا آساں ہے  
ولے مشکل ہے حکمتِ دل میں سوزِ غم چھپانے کی  
انہیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا  
اُٹھے تھے سیرِ گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی  
ہماری سادگی تھی التفاتِ ناز پر مرنا  
ترا آنا نہ تھا طالعِ مگر تمہیدِ جانے کی  
لکھ کو پ سوادِ ث کا تحمل کر نہیں سکتی  
مری طاقت کہ ضامن تھی تہوں کے ناز اٹھانے کی

کہوں کیا خوبی اوضاعِ اُبنائے زماں غالب  
بدی کی اُس نے جس سے ہم نے کی تھی بارہائیکی



137

جہل سے ہاتھ دھو بیٹھ، اے آرزوِ حسدِ امی  
دل جوشِ گریہ میں ہے دُوبی ہوئی اسامی  
اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے  
میں بھی جلے ہوؤں میں ہوں داغِ نامتامی

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيهِمْ

لے نسخہ مہر میں یہاں کا "کے بجائے" کو "درج ہے، جو سوکتا بہت معلوم ہوتا ہے۔



کیا تنگ ہم ستم زدگان کا جہان ہے  
جس میں کہ ایک بضیہ مور آسمان ہے  
ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے  
پر تو سے آفتاب کے، درے میں جان ہے  
حالانکہ ہے یہ سیلی خار اسے لالہ رنگ  
غافل کو میرے شیشے پرے کا گمان ہے  
کی اُس نے گرم، سینہ اہل ہوس میں جا  
آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے  
کیا خوب، ثم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا؟  
بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے  
بیٹھا ہے جو کہ سایہ دیوارِ یار میں  
فرماں رواے کشورِ ہندوستان ہے  
ہستی کا اہمیت بار بھی غم نے مٹا دیا  
کس سے کہوں کہ داغ چکر کا نشان ہے  
ہے بارے اعتمادِ وفا داری اس قدر  
غالب ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہراں ہے



درو سے میرے ہے تجھ کو بے قراری ملے ملے  
تیرے دل میں گر نہ تھا آشوب غم کا جسد  
کیوں مری غمخواری کا تجھ کو آیا تھا خیال  
عمر بھر کا تو نے پیمان وفا باندھا تو کیا  
زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوائے زندگی  
گلِ فشانہاے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا  
شرمِ رسوائی سے جا چھپا نقابِ خاک میں  
خاک میں ناموسِ پیمانِ محبت مل گئی  
ہاتھ ہی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا  
کس طرح کاٹے کوئی شب ہائے تاریکِ کال  
گوشِ مجبورِ پیام و چشمِ محرمِ جمال  
کیا ہوئی ظالم تری غفلتِ شعاری ملے ملے  
تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ملے ملے  
دشمنی اپنی تھی میری دوستداری ملے ملے  
عمر کو بھی تو نہیں ہے پانداری ملے ملے  
یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ملے ملے  
خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری ملے ملے  
ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ملے ملے  
اٹھ گئی دنیا سے راہ و رسمِ یاری ملے ملے  
دل پر اک لگنے نہ پایا زخمِ کاری ملے ملے  
ہے نظرِ شوکر وہ خستِ شکاری ملے ملے  
ایک دل، تیس پر یہ نا اُمید داری ملے ملے  
عشق نے پکڑا نہ تھا، غالب ابھی وحشت کا رنگ  
رہ گیا، تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری ملے ملے





گر خاشی سے فائدہ اٹھائے حال ہے  
کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا اگلہ  
کس پر دے میں ہے آئینہ پردازے خدا  
ہے ہے ! خدا نخواستہ وہ اور دشمنی  
میشکیں لباس کعبہ علی کے قدم سے جان  
وحشت پہ میری عرصہ آفاق تنگ تھا

خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے  
دلِ فردِ جمع و غریجِ زبانِ لال ہے  
رحمت کہ عذرِ خواہ لبِ بے سوال ہے  
اے شوقِ مُنْفَعِل ! یہ تجھے کیا خیال ہے  
نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے  
دریا زمین کو عرقِ انفعال ہے

مہستی کے مت فریب میں آجائیو آمد  
عالم تمام حلقہ دایم خیال ہے



تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کھود کھود کے پُوچھو  
 حذر کرو مرے دل سے کہ اس میں آگ دبی ہے  
 و لایہ درود الم بھی تو مُغْتَم ہے کہ آہِ حشر  
 نہ گریہ سحری ہے نہ آہِ نیم شبی ہے

❦❦❦❦❦❦❦

لے "ناہن زمین" میں اعلانِ ٹون کا "عیب" رفع کرنے کے لیے بعض حضرات نے اس مصرع میں "نہ سے پہلے" یہ "کا اضافہ کیا ہے۔ غالب کی نظر میں یہ عیب نہ تھا۔



ملہ عترتی صاحب کے نسخے میں یوں درج ہے : ع تسکین کو نوید کہ مرنے کی افس ہے  
سترہ اٹھارہ دوسرے قدیم و جدید نسخوں میں دیکھا تو کہیں بھی یہ مصرع اس طرح درج نہ تھا۔ لہذا مندرجہ بالا مسموٰت قائم  
رکھی گئی۔ ایک قدیم نسخے میں کاتب سے ”دے“ سموا حذف ہو گیا تھا مگر وہاں بھی در اوپر دے چھپا ہوا مل جاتا ہے۔



143

ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا، سو بھی مٹ گیا  
 ظاہراً کاغذ ترے خط کا، غلط بردار ہے  
 جی جلے ذوقِ فنا کی نائمی پر نہ کیوں  
 ہم نہیں جلتے، نفس ہر چند آتش بار ہے  
 آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا  
 ہر کوئی در ماندگی میں نالے سے ناچار ہے  
 ہے وہی بدستی ہر روزہ کا خود عذر خواہ  
 جس کے جلوے سے زمین تا آسمان سرشار ہے  
 مجھ سے مت کہہ: "تو ہمیں کتنا سہتا اپنی زندگی"  
 زندگی سے بھی مرا جی ان دنوں بیزار ہے

آنکھ کی تصویر سبز نامے پہ کھینچی ہے کہ تا  
 تجھ پہ کھل جاوے کہ اس کو حسرت دیدار ہے



144

پینس میں گزرتے ہیں جو کچے سے وہ میرے  
 کندھا بھی کہا روں کو بدلنے نہیں دیتے

دہلے دہلے دہلے دہلے

لہ حناک۔



145

میری ہستی فضائے حیرت آبادِ تمنا ہے  
 جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا عقدا ہے  
 خزاں کیا، فصلِ گل کہتے ہیں کس کو، کوئی موسم ہو  
 وہی ہم ہیں، نفس ہے، اور ماتمِ بال و پر کا ہے  
 وفائے دلبراں ہے اٹھنا، ورنہ اے ہدم  
 اثرِ مندر یادِ دل لائے غزلیں کا کس نے دیکھا ہے

نہ لائی شوخی اندیشہ تاب رنجِ نو میدی  
 کفِ افسوس لانا عہدِ تبدیلید تمنا ہے





146

رحم کر ظالم کہ کیا بُود چراغ کُشتہ ہے  
نبضِ بیمارِ دفا دودِ چراغ کُشتہ ہے

دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہے ہیں  
ورنہ یاں بے رونقی سودِ چراغ کُشتہ ہے

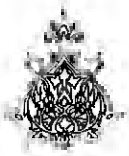


147

چشمِ خوابِ خامشی میں بھی نوا پرداز ہے  
سُرمہ، تو کہو سے کہ، دودِ شعلہ آواز ہے

پیکرِ عشاق سازِ طالعِ ناساز ہے  
نالہ گویا گردِ شیش تیارہ کی آواز ہے

دستِ گاہِ دیدہ نونہلِ باریجوں دیکھنا  
یک بیاباںِ حبلۂ گل، فرشِ پانداڑ ہے



148

عشق مجھ کو نہیں، وحشت ہی سہی  
قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے  
میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی  
ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے  
اپنی ہستی ہی سے ہو، جو کچھ ہو  
عمر ہر چند کہ ہے برقِ بخرام  
ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں  
کچھ تو دے اے فلکِ ناصاف  
ہم بھی تسلیم کی خُو ڈالیں گے  
میری وحشت، تری شہرت ہی سہی  
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی  
اے! وہ مجلسِ نہیں خلوت ہی سہی  
غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی  
آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی  
دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی  
نہ سہی عشق، مصیبت ہی سہی  
آہ و فساد کی رخصت ہی سہی  
بے نیازی تری عادت ہی سہی

یار سے چھوڑ چلی جاے اس  
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی



لے بعض نسخوں میں یہاں "میری" کی جگہ "میری" اور تیسرے شعر میں "میرے" کی جگہ "میرے" چھاپا ہے۔ یہ مقامات "میری" اور "میرے" کے متقاضی ہیں اور یہی غالب کے الفاظ ہیں۔ بہت سے قدیم نسخوں سے مقابلہ کیا گیا۔



ہے آرمیدگی میں نکویش بجائے  
صُبحِ وطن ہے خندہ دندانِ مجھے

دھوڑے ہے اُس سُنعنی تارشِ نفسِ کوجی  
جن کی صدا ہو جلوة برقِ فنا مجھے

مستانہ طے کروں ہوں رہِ وادیِ خیال  
تا، باز گشت سے نہ رہے مدعا مجھے

کرتا ہے بسکہ باغ میں تُو بے حجابیاں  
آنے لگی ہے نکجستِ گل سے حیا مجھے

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا مُعاندہ  
شعروں کے انتخاب نے رُسا کیا مجھے



زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب  
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے!



لہ قديم نسخوں میں ليے معروف و مجہول کا کوئی امتیاز نہیں۔ یہاں گزرتے "بھی پڑھا جاسکتا ہے مگر غالب نے کیا کہا؟ کچھ کہ نہیں سکتے۔



اُس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کیے  
دل ہی تو ہے، ریاستِ درباں سے ڈر گیا  
بٹھیا رہا، اگرچہ اشارے ہوئے کیے  
میں اور جاؤں در سے ترے پن صدا کیے  
مُدت ہوئی ہے دعوتِ آب و ہوا کیے  
رکھتا پھروں ہوں خرقہ و سجادہ رہن مے  
بے صرفہ ہی گزرتی ہے، ہو گرچہ عمرِ خضر  
حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کیے!  
مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم  
تُو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کیے  
کس روز ثمتیں نہ ترا شا کیے عُدو  
کس دن ہمارے سر پہ نہ آئے چلا کیے  
صُحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ نحو  
دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیے  
ضد کی ہے اور بات مگر نحو بُری نہیں  
بھولے سے اُس نے سیکڑوں وعدے وفا کیے

غالب تمہیں کہو کہ ملے گا جواب کیا  
مانا کہ تم کہا کیے اور وہ سنا کیے



لہ نسخہ حمید طبع اول میں "اے" کی جگہ "او" چھاپا ہے۔ اور کہیں "او" نظر سے نہیں گذرا۔  
لہ بعض نسخوں میں "سیکڑوں" کی جگہ "سیکڑوں" ملتا ہے مگر نسخہ نظامی (۱۸۹۲ء) اور بعض دیگر قديم نسخوں میں "سیکڑوں" چھاپا ہے۔



152

رفارِ عمر قطع رہ اضطراب ہے اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے  
 یٹاے نے ہے سرو نشاط بہار ہے بال تدرؤ جملہ موج شراب ہے  
 زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا نے بھاگنے کی گونہ اقامت کی تاب ہے  
 جادو بادہ نوشی رنداں ہے شش جہت غافل گماں کرے ہے کہ گیتی خراب ہے  
 نظارہ کیا عریض ہو اُس برقِ حسن کا جوش بہار جلوے کو جس کے نقاب ہے  
 میں، نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے

گزارا اس سرت پینام یار سے

قاصد پر مجھ کو رشک سوال و جواب ہے



لہ اٹھارہ سے زائد قدیم وجدیوں کے باہر مقابلے سے معلوم ہوا کہ بیشتر نسخوں میں یہ شعریں طرح چھاپے جس طرح اوپر درج ہوا لیکن تیسریء  
 طبع اول میں "سرو نشاط بہار سے" درج ہے جو کجاً غلط ہے۔ ایک آدھ قدیم نسخے میں "نیز ترشی، جہر اور مالک رام کے نسخوں میں یہ شراب اور  
 شکل میں ملتا ہے۔ یعنی: دینا سے ہے سرو نشاط بہار سے بال تدرؤ جملہ موج شراب ہے  
 یہ شعر اس طرح بھی باقی ہے اور اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ نشاط بہار نے سرو کو بھی شراب سے لالاب بھرا ہوا دیا ہے اس حالت  
 میں آسان پر بال تدرؤ یعنی (مطلوب شعراء) ابر باران آدھ جملہ موج شراب معلوم ہوتا ہے جس سے شراب کے خوب کھل کر بسنے کی امید ہو سکتی  
 ہے فارسی شاعری کی روایت کے مطابق تدرؤ کو سرو سے خاص لگاؤ بھی ہے۔ اس لیے بھی بال تدرؤ کا ذکر آیا۔ یہاں غالب کا ایک ابتدائی  
 شعر موجبِ کچھی ہوگا: عروج نشہ سے سرتا قدم قد چن رویاں بجا سے خود گوگرد سرو بھی دینا سے خالی ہے  
 نشہ بہار سے عاری سرو کو غالب نے یہاں بھی دینا سے تشبیہ دی ہے مگر یہ دینا سے خالی ہے۔

مؤخریہ بالا غزل کے اس شعر کو جس طرح میں درج کیا گیا ہے، اس کا مفہوم شاعرین نے مختلف بنایا ہے معلوم ہوتا ہے کہ غالب کو یہاں  
 بہار بادہ گساری کی نشاط اور کیفیت کی نظر نگاری مقصود ہے جوش نشاط میں دینا سے ہے بہار سے کا سرو سرت دکھائی دیتا ہے اور انہیں میں  
 شراب و تیز کی موج اصل نام ایک تدرؤ خوش رفتار بن کر سرگرم خرام نظر آتی ہے۔ (جیسا اوپر ذکر ہوا) شعراء عجم کے ہاں سرو کے ساتھ تدرؤ یا تدرؤ  
 کا ذکر بہ کثرت ملتا ہے، جس طرح گل کے ساتھ بلبل کا)



153

دیکھنا قیمت کہ آپ اپنے پر رشک آجائے ہیں میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے  
 ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشے میں ہے آگینہ تندی صہب سے پگھلا جائے ہے  
 غیر کو یارب وہ کیونکر منع گستاخی کرے گر حیا بھی اُس کو آتی ہے تو شرابا جائے ہے  
 شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے  
 دُور چشم بد تری بزم طرب سے، واہ واہ نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ میرا جائے ہے  
 گرچہ ہے طرز تغافل پردہ دارِ راز عشق پر ہم ایسے کھوے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے  
 اُس کی بزم آرسیاں سن کر دل رنجور، یاں مثل نقشِ مدعا غمیر بٹھا جائے ہے  
 ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے  
 نقش کو اُس کے ہر صورت پر بھی کیا کیا ناز ہیں کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھینچتا جائے ہے

سایہ میرا مجھ سے مثل دود بھاگے ہے اس

پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے!





154

گرم منہ یاد رکھا شکلِ نہالی نے مجھے  
تب آماں ہجر میں دی برویلیالی نے مجھے  
نسیہ و نشہ دو عالم کی حقیقت معلوم  
لے لیا مجھ سے، مری ہمت عالی نے مجھے  
کثرت آرائی وحدت ہے پرستاری و ہم  
کر دیا کافر ان اصنام خیالی نے مجھے  
ہنس گل کا تصور میں بھی کھٹکانہ رہا  
عجب آرام دیا بے پرواہی نے مجھے



155

کارگاہ ہستی میں لالہ داغ سماں ہے  
برقِ خرمین راحتِ خونِ گرم دہقاں ہے  
غُنچہ تاشِ گفتن با بزرگِ عافیت معلوم  
باوجودِ دلِ جمعی خوابِ گل پریشاں ہے  
ہم سے رنجِ بیتابی کس طرح اٹھایا جاوے  
داغِ پشتِ دستِ عجز، شعلہ خُش بدشاں ہے



156

اُگ رہا ہے دُور و دیوار سے سبزہ غالب  
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے







(157)

سادگی پر اُس کی مرجانے کی حسرت دل میں ہے  
 بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل میں ہے  
 دیکھنا تفتیر کی لذت کہ جو اُس نے کہا  
 میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے  
 گرچہ ہے کس کس بُرائی سے ولے با ایں ہمہ  
 فکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے  
 بس ہجومِ نا اُمید دی، خاک میں دل جاے گی  
 یہ جو اک لذت ہماری سعی بے حاصل میں ہے  
 رنج رہ کیوں کھینچے، واما ندگی کو عشق ہے!  
 اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم، منزل میں ہے!  
 جلوہ زارِ آتش و وزخ ہمارا دل سہا  
 فتنہ شورِ قیامت کس کی آب و گل میں ہے!  
 ہے دل شوریہ غالبِ طلسمِ پیچ و تاب  
 رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

دل دل دل دل دل دل دل

لے عشق ہے! = مرجا! آفرین! یہ کلمہ بتغیر لفظ اہل پنجاب کی زبانوں پر بھی ہے۔ اس شعر کو سمجھنے کے لیے دوسرے مصرعے میں "دل" کے بعد وقفہ ہرنا چاہیے بعض حضرات نے غلط فہمی سے "واما ندگی سے عشق ہے" کہہ دیا ہے، جو قصور غالب نہیں۔  
 لے شجرِ طباہی: "کس کے آب و گل"۔ "کے بجائے کی"۔



(158)

دل سے تری نگاہِ بگرتک اتر گئی  
 شق ہو گیا ہے سینہ، خوشا لذتِ فراغ  
 وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں  
 اُڑتی پھرے ہے خاکِ مری کوے یار میں  
 دیکھو تو دھندلی اندازِ نقشِ پا  
 ہر بُو الہوس نے حُسن پرستی شعار کی  
 نظارے نے بھی کام کیا داں نقاب کا  
 فردا و دی کا تفسیقِ یک بار مٹ گیا  
 دوں کو اک ادا میں رضا مند کر گئی  
 تکلیفِ پردہ دار بنی زخمِ بگرتک  
 اُٹھے بس اب کہ لذتِ خواب سحر گئی  
 بارے اب اے ہوا! ہوسِ بال و پر گئی  
 مروجِ حنہ لیم یار بھی کیا گل کتر گئی  
 اب آبرو سے شیوۂ اہلِ نظر گئی  
 مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی  
 کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی

مارا زمانے نے اسد اللہ حنا ٹھیں  
 وہ ولولے کہاں وہ جوانی کدھر گئی





159

تسکین کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر سے  
 خورانِ حُسد میں تری صورت مگر سے  
 اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفنِ بعدِ قتل  
 میرے پتے سے غلق کو کیوں تیرا گھر سے  
 ساقی گری کی شرم کو آج، ورنہ ہم  
 ہر شبِ پیما ہی کرتے ہیں، جس قدر سے  
 تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اُسے ندیم  
 میرا سلام کیو اگر نامہ بر سے  
 تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا  
 فرصت کشاکشِ غم پنہاں سے گر سے  
 لازم نہیں کہ خُفس کی ہم پیروی کریں  
 جانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر سے  
 اے ساکنانِ کوچہ دلدار! دیکھنا  
 تم کو کہیں جو غالبِ آشفۃ سر سے

دہ دہ دہ دہ دہ دہ دہ دہ



160

کوئی دن گر زندگانی اور ہے  
 اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے  
 آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں  
 سوزِ غم ہائے نہانی اور ہے  
 بارہا دیکھی ہیں اُن کی رنجشیں  
 پر کچھ اب کٹی، سرگرائی اور ہے  
 دے کے خطِ مُنہ دیکھتا ہے نامہ بر  
 کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے  
 قاطعِ اعمار ہیں اکشرِ نجوم  
 وہ بلائے آسمانی اور ہے  
 ہو چکیں غالبِ بلائیں سب تمام  
 ایک مرگِ ناگمانی اور ہے



لے قدیم نسخوں میں یائے معروف و مجہول کا امتیاز نہ تھا۔ اس لیے بعض جدید نسخوں میں یہاں اُسکے چھپا  
 ہے جو اس موقع پر درست نہیں معلوم ہوتا، بالخصوص "بارہا" کے بعد۔ یہاں مراد ہے: اب کی بار۔



(161)

کوئی اُمید بر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی  
 موت کا ایک دن مُعین ہے نیند کیوں رات بھر نہیں آتی  
 آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی اب کسی بات پر نہیں آتی  
 جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی  
 ہے کچھ ایسی ہی بات جو چُپ ہوں ورنہ کیا بات کر نہیں آتی  
 کیوں نہ چیخوں کہ یاد کرتے ہیں میری آواز گر نہیں آتی  
 داغِ دل گر نظر نہیں آتا بُو بھی اے چارہ گر نہیں آتی  
 ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی  
 مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی موت آتی ہے پر نہیں آتی

کعبے کس مُنہ سے جاؤ گے غالب  
 شرمِ ثُم کو مگر نہیں آتی



(162)

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے  
 ہم ہیں مُشتاق اور وہ بیزار یا الہی یہ محبِ اک کیا ہے  
 میں بھی مُسبب میں زبان رکھتا ہوں کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے  
 جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود ق پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے  
 یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے  
 شکرِ زُلفِ عنبریں کیوں ہے بگھرِ چشمِ سرمہ سا کیا ہے  
 سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں ابر کیا چیز ہے ، ہوا کیا ہے  
 ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے  
 ہاں سبلا کر ترا سبلا ہوگا اور درویش کی صدا کیا ہے  
 جانِ ثُم پر نیشار کرتا ہوں میں نہیں جانتا دُعا کیا ہے

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب  
 مُفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے





کہتے تو ہو تم سب کہ بُتِ غالبیہ مو آئے  
ہوں کشمکشِ نزع میں ہاں جذبِ محبت  
ہے صاعقہ و شعلہ و سیلاب کا عالم  
ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے بھیریں  
جلاد سے ڈرتے ہیں نہ داعی سے جھگڑتے  
ہاں اہلِ طلب! کون سُنے طعنہ نایافت  
اپنا نہیں وہ شہید کہ آرام سے بیٹھیں  
کی ہمنفسوں نے اثرِ گریہ میں تفتیر  
اُس انجمنِ ناز کی کیا بات ہے غالب  
ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے



لہ وو = وہ -

لہ نسخہ مر: "اس" - نسخہ نظامی ۱۸۶۲ء: "اُس" -



پھر کچھ اک دل کو بے قراری ہے  
پھر چہرہ کھودنے لگا ناخن  
قبلہ مقصدِ نگاہِ نیاز  
چشمِ دلالِ جنسِ رُسوائی  
سینہ جویاے جسمِ کاری ہے  
آہِ فصلِ لالہ کاری ہے  
پھر وہی پردہ عماری ہے  
دلِ حیدرِ ذوقِ خواری ہے  
وہی صد رنگِ نالہ فرسائی  
دوہی صد گونہ اشکباری ہے  
دلِ ہوائے حسدِ ناز سے پھر  
محشرستانِ بے قراری ہے  
جلوہ پھر عرضِ ناز کرتا ہے  
روزِ بازارِ جاں سپاری ہے  
پھر اُسی بے وفا پہ مرتے ہیں  
پھر وہی زندگی ہماری ہے  
پھر کھلا ہے درِ عدالتِ ناز  
گرم بازارِ فوجداری ہے  
ہو رہا ہے جان میں اندھیر  
زُلف کی پھر سرشتِ داری ہے  
پھر دیا پارہ چہرہ نے سوال  
ایک مندیادِ آہِ دزاری ہے  
پھر ہوئے ہیں گواہِ عشقِ طلب  
اشکباری کا حکم جاری ہے  
دلِ دِشگاں کا جو مُقتدمہ تھا  
آج پھر اُس کی رُوبکاری ہے

بے خودی بے سبب نہیں غالب  
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

لہ نسخہ نظامی ۱۸۶۲ء: "اُس" -

لہ ووہی = وہی = وہی - لہ روزِ بازار، چہل پل اور رونق کے دن کو بھی کہتے ہیں۔



165

جُنوں شہمت کش تکیں نہ ہو، گر شادمانی کی  
نمک پاش خراشیں دل ہے لذت زندگانی کی  
کشاکش ہائے سستی سے کرے کیا سغی آزادی  
ہوئی زنجیر موجِ آب کو فرصت روانی کی  
پس از مُردن بھی دیوانہ زیارت گاہِ طعلاں ہے  
شرارِ رنگ نے ثُربت پر میری، گلِ فشانِ کی



لے نسخہ جہر میں غالباً سو کاتب سے، پس مُردن چھپا ہے۔ باقی قدیم و جدید نسخوں میں، جو نظر سے  
گزرے، "پس از مُردن" ملتا ہے۔



166

نکو ہمیش ہے سزا فسادِ بیدارِ دلبر کی  
مبادا خندہ دندانِ بُب ہو صُبحِ محشر کی  
رگِ لیلیٰ کو خاکِ وشتِ مجنوںِ ریشگی بخشے  
اگر بوئے بجائے دانہ دہقانِ نوکِ نشتر کی  
پر پروانہ شاید بادبانِ کشتیِ مے تھا  
ہوئی مجلس کی گرمی سے روانیِ دورِ ساغر کی  
کروں بیدارِ ذوقِ پرفشانیِ عرض، کیا قدرت  
کہ طاقت اُڑ گئی، اُڑنے سے پہلے میرے شہر کی  
کہاں تک روؤں اُس کے خیمے کے پیچھے قیامت ہے!  
ہر مہرِ قیمت میں یارب کیا نہ تھی دیوارِ پتھر کی؟





167

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے  
پہناں تھا دام سخت قریب آشیان کے  
ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے  
سختی کشان عشق کی پوچھے ہے کیا خبر؟  
تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں  
رہکتے رہے جُنوں کی حکایات خوں چکاں  
اللہ لئے تیری تندہی خو، جس کے پیم سے  
اہل ہوس کی فتح ہے ترکِ نبرد عشق  
نالے عدم میں چند ہمارے پُرو تھے  
جو واں نہ کچھ سکے سو وہ یاں آکے دم ہوئے

چھوڑی اسد نہ ہم نے گدائی میں دل لگی  
سائل ہوئے تو عاشق اہل کرم ہوئے



لے نسخہ مالک ام طبع اول اور نسخہ حمید طبع اول میں "دام سخت" چھپا ہے۔ دوسرے تقریباً سب نسخوں میں سخت قریب "بر معنی نہایت قریب" درج ہے۔ اسی طرح کہا گیا ہے : ۵ زمانہ سخت کم آزار ہے بجان اسد -  
لے نسخہ مالک رام (۱۹۵۷ء) اور نسخہ "صد سالہ یادگار غالب کیٹی" دہلی میں "رے" کی جگہ "ری" چھپا ہے۔ "اللہ رے" اور "اللہ ری" میں یہ امتیاز قابلِ تعلق ہے مگر اس بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ مخاطب "تندہی" خواتین بلکہ "تندہی محبوب" ہے، جو محبوبہ بھی نہیں !  
لے بعض جدید نسخوں میں "کھنچ" چھپا ہے۔



168

جو نہ نفتِ داغِ دل کی کرے شعلہ پاسبانی  
تو فُروگی نہاں ہے بہ کھسین بے زبانی

مجھے اس سے کیا توقع بہ زمانہ جوانی  
کبھی کودکی میں جس نے نہ سنی مری کہانی

یونہی دکھ کسی کو دنیا نہیں خوب ورنہ کہتا  
کہ مرے عدو کو یارب ملے میری زندگانی





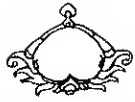
(169)

ظلمت کدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے اک شمع ہے دلیلِ سحرِ سو خوش ہے  
 نے مژدہ وصال نہ نظارہ جمال مدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے  
 نے کیا ہے حُسنِ خود آرا کو بے حجاب اے شوق یاں اجازتِ تسلیم ہوش ہے  
 گوہر کو عفتِ گردنِ خوباں میں دیکھنا کیا آوج پر ستارہ گوہر فروش ہے  
 دیدارِ بادہ ، حوصلہ ساقی ، نگاہ مست بزمِ خیالِ میکدہ بے خروش ہے  
 اے تازہ وارِ دانِ بساطِ ہولے دل زہار اگر تمھیں ہوسِ نئے و نوش ہے  
 دیکھو مجھے ، جو دیدہ عبرتِ نگاہ ہو میری سُنو ، جو گوشِ نصیحتِ نیش ہے  
 ساقی بہ جہلوہِ موشمنِ ایمان و آگہی مُطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے  
 یاشب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط دامانِ باغبان و کھٹ گل فروش ہے  
 لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے  
 یا صبح دم جو دیکھیے آکر تو بزم میں نے وہ سُردور و سوزِ نہ جوش و خروش ہے  
 داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں  
 غالب صریح نامہ نوائے سُروش ہے

دہلی دہلی دہلی دہلی دہلی

لے بعض نسخوں میں "یاں کی جگہ" "یاں" چھپا ہے۔ یہ غالب کسی سہوکتا بت کا نتیجہ ہے کیونکہ "یاں" سے شعر کے جو تیز بنتے ہیں غالب کے معلوم نہیں ہوتے۔  
 لے نسخہ نظامی اور اکثر دوسرے نسخوں میں "سوز" ہی چھپا ہے۔ ایک نسخے میں شاید سہوکتا بت سے "سور" چھپ گیا۔ اب بعض حضرات "سور" ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔



(170)

آ کہ بری جان کو قرار نہیں ہے  
 طاقتِ بیداوِ انتظار نہیں ہے  
 دیتے ہیں جنتِ حیاتِ دہر کے بدلے  
 نشہ بہ اندازہِ خمار نہیں ہے  
 گر نہ نکالے ہے تیرمی بزم سے مجھ کو  
 ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے  
 ہم سے عبت ہے گمانِ رنجشِ خاطر  
 خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے  
 دل سے اٹھا لطفِ جہلوہ لے معانی  
 غیر گل آئینہ بہار نہیں ہے  
 قتل کا میرے کیا ہے عہد تو بارے  
 ولے اگر عہدِ استوار نہیں ہے  
 تو نے قسم میکشی کی کھائی ہے غالب  
 تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

دہلی دہلی دہلی دہلی دہلی

لے نسخہ نظامی ، نیز دیگر تمام قدیم و جدید نسخوں میں "تیری" چھپا ہے ، جو صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ صرف نسخہ حسرتِ مرآنی ، نسخہ بیچود و ملوی اور نسخہ مطبع مجیدی مطبعہ ۱۹۱۹ء میں صحیح صورت نظر آتی ہے۔ بہ صورتِ دیگر یہ مصرعہ بحر سے خارج ہو جاتا ہے۔



(171)

ہجومِ غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے  
 کہ تارِ دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے  
 رفوئے زخم سے مطلب ہے لذتِ زخمِ سوزن کی  
 سمجھو موت کہ پاسِ درو سے دیوانہ غافل ہے  
 وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب  
 چمکنا غنچہ گل کا صدائے خندہ دل ہے



(172)

پا بہ دامن ہو رہا ہوں بسکہ میں صحرا نوزد  
 خارِ پائیں جو ہر آئینہ زانو مجھے  
 دیکھنا حالتِ مرے دل کی، ہم آغوشی کے وقت  
 ہے نگاہِ آشنا تیرا سر نہرِ موج  
 ہوں سراپا سازِ آہنگِ شکایت، کچھ نہ پوچھ  
 ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھپے تو مجھے



لہ "غنچہ گل" کی جگہ بعض موقوفہ نسخوں میں "غنچہ دل" اور "غنچہ دل" بھی چھپا ہے۔ اسے سرکاتب کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ غنچہ گل - گلاب کی کلی۔  
 غنچے کے ساتھ گل کا بھی چمکنا گلنا محفل نظر ہے۔



(173)

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے  
 سائے کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر  
 تب نازِ گراں ماگنی اشکِ بجا ہے  
 دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ بستمگر  
 اُس چشمِ فُتوں گر کا اگر پائے اشارہ  
 کانٹوں کی زباں سُکھ گئی پیاسِ یارب  
 مر جاؤں نہ کیوں شکست ہے جب ہُتہ تنِ نازک  
 غارت گر ناموس نہ ہو گر ہوں زر  
 تب چاکِ گریباں کا مزہ ہے دلِ نالال!  
 آتشکدہ ہے سینہ مرا از رہناں سے  
 اے وائے، اگر معرضِ اظہار میں آوے  
 جاں کا لبدِ صورتِ دیوار میں آوے  
 تو اس قدر و لکش سے جو گلزار میں آوے  
 جب نختِ جگر دیدہ خونبار میں آوے  
 کچھ تجھ کو مزہ بھی مرے آزار میں آوے  
 طوطی کی طرح آتشِ گفتار میں آوے  
 اک آبلہ پا وادیِ پُرحسار میں آوے  
 آغوشِ خیمِ حلفتِ زُناں میں آوے  
 کیوں شاہِ گلِ باغ سے بازار میں آوے  
 جب اک نفس اُجھا ہوا ہر تار میں آوے  
 آئے وائے، اگر معرضِ اظہار میں آوے

گنجینہ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے  
 جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے



لہ نسخہ نظامی، نسخہ طباطبائی، نسخہ رحمت مولانی اور متعدد دیگر نسخوں میں "دلِ نالال" چھپا ہے۔ عری اور مالک رام کے نسخوں میں  
 "دلِ نادان" ملتا ہے۔ مضمون شعر یہاں "دلِ نالال" ہی سے خطاب کا متقاضی معلوم ہوتا ہے۔





174

حُسنِ مہر گر چہ بہ نگامِ کمال اچھا ہے  
 بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر خطہ نگاہ  
 اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا  
 بے طلب دیں تو مزہ اُس میں سوا ملتا ہے  
 اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے مُنہ پر رونق  
 دیکھیے پاتے ہیں عُشاق مُتوں سے کیا فیض  
 ہم سخنِ تیشے نے فساد کو شیریں سے کیا  
 قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے  
 بھڑکے سلطان کو رکھے خالقِ اکبر سر سبز  
 اُس سے میرا مہر غور شدِ جمال اچھا ہے  
 جی میں کہتے ہیں کہ مُفت آئے تو مال اچھا ہے  
 ساغرِ حُجّہ سے مرا جامِ مہل اچھا ہے  
 وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے  
 وہ سمجھتے ہیں کہ سپہ سالار کا حال اچھا ہے  
 اک پرہیزگار نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے  
 جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے  
 کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مال اچھا ہے  
 شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن  
 دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے



لے یہاں بعض قابلِ قدر نئے شعروں میں "اُس" کی جگہ "اس" چھپا ہے مگر بیان "اُس" ہی ہونا چاہیے یعنی اُس شخص میں جو  
 بے طلب ہوئی ہو، زیادہ لطیف ہوتا ہے۔ نسخہ نظامی (۶۱۸۶۲) میں بھی "اُس" ہی درج ہے۔



175

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی، نہ سہی  
 استخوان اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی  
 خارِ خارِ المِ حسرتِ دیدار تو ہے  
 شوقِ گلچینِ گلستانِ تسلی نہ سہی  
 نئے پرستانِ حُجّہ نے مُنہ سے لگائے ہی بنے  
 ایک دن گر نہ ہوا بزم میں ساقی، نہ سہی  
 نفسِ قیس کہ ہے چشم و چراغِ صحرَا  
 گر نہیں شمعِ سیہ خانہ لیلی، نہ سہی  
 ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق  
 نوحہ عنہم ہی سہی نغمہ شادی نہ سہی  
 نہ رستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا  
 گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی، نہ سہی  
 عشرتِ صحبتِ خواباں ہی غنیمت سمجھو  
 نہ ہوئی غالب اگر عمرِ طبعی، نہ سہی



لے خارِ خار = اضطراب، پریشانِ خاطر۔



عجب نشاط سے جلاؤ کے چلے ہیں ہم آگے  
کہ اپنے سارے سے، سر پاؤں سے ہے دو قدم آگے  
قضا نے تھا مجھے چاہا خراب بادۂ الفت  
فقط خراب لکھا، بس نہ چل سکا قلم آگے  
غم زمانہ نے جھاڑی نشاطِ عشق کی مستی  
وگر نہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذتِ الم آگے  
خدا کے واسطے دادِ اس جُنُونِ شوق کی دینا  
کہ اُس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ برسے ہم آگے  
یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھائی ہیں ہم نے  
تمہارے آئیو لے طرہ ہمارے خم بہ خم آگے  
دل و چہرہ میں پر افشاں جو ایک موجدِ خوں ہے  
ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اس کو دم آگے  
قسم جنازے پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں غالب  
ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے



شکوے کے نام سے بے مہر خا ہوتا ہے  
 پُر ہوں میں شکوے سے یوں، راگ سے جیسے باجا  
 گو سمجھتا نہیں پر حُسنِ تلافی دیکھو  
 عشق کی راہ میں ہے چرخِ نگوکب کی وہ چال  
 کیوں نہ ٹھہری بَد فِ ناولِ بیداد، کہ ہم  
 خوب تھا، پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ  
 نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا، اور اب  
 خامہ میرا کہ وہ ہے بارِ بُد، نرم سُخن  
 اے شہنشاہِ کو اکب سپہ و مہرِ علم  
 ساتِ تسلیم کا حاصل جو فدا ہم کیجے  
 ہر مینے میں جو یہ بُد سے ہوتا ہے ہلال  
 میں جو گستاخ ہوں آئینِ غزل خوانی میں

یہ بھی مست کہ، کہ جو کیسے تو گلا ہوتا ہے  
 اک ذرا چھڑیے، پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے  
 شکوہِ جوڑ سے سرگرم جفا ہوتا ہے  
 سُست رُوح جیسے کوئی ابدِ پا ہوتا ہے  
 آپ اٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے  
 کہ بھلا چاہتے ہیں اور بُرا ہوتا ہے  
 لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے  
 شاہ کی مَدح میں یوں مُعذّر ہوتا ہے  
 تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے  
 تو وہ شکر کا ترے نعلِ بہا ہوتا ہے  
 استاں پر ترے مہِ ناصیہ سا ہوتا ہے  
 یہ بھی تیرا ہی کرم ذوقِ مِنا ہوتا ہے

رکھیں غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف  
آج کچھ دردِ مرے دل میں سوا ہوتا ہے



(178)

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے  
نہ شعلے میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ آدا  
یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے  
چپک رہا ہے بدن پر اُٹو سے ویراہن  
جلا ہے جسم جہاں، دل بھی جل گیا ہوگا  
رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل  
وہ چیز جس کے لیے ہم کو ہو بہشت عزیز  
پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دوچار  
رہی نہ طاقتِ گفتار اور اگر ہو بھی

ہوا ہے شہ کا مُصاحب، پھرے ہے اتراتا  
وگر نہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے



لہ "جیب" بمعنی گریبان مذکر ہے۔ بیشتر مرتبہ نسخوں میں جو ہماری جیب چھپا، وہ غلط فہمی کی بنا پر ہے جو اس طرح پیدا ہوئی کہ غالب کے قدیم نسخوں میں یاسے معروف و مہول کا اقتیاز نہ تھا۔

لہ بعض فاضل مرتبین نے "سے ہی" کو قابل اعتراض سمجھ کر، اپنے نسخوں میں اسے ہی سے بنا دیا ہے۔ غالب کا اصرار بظاہر "آئکھ" پر نہیں، "آئکھ" سے ٹپکنے پر ہے۔ چنانچہ متن میں قدیم نسخوں کا اندراج برقرار رکھا گیا۔



(179)

میں اُنھیں چھڑوں، اور کچھ نہ کہیں  
چل نہ سکتے جو مے پیے ہوتے

قہر ہو یا بلا ہو، جو کچھ ہو  
کاشکے تم مرے لیے ہوتے

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا  
دل بھی یارب کئی دیے ہوتے

آہی جاتا وہ راہ پر غالب  
کوئی دن اور بھی پیچھے ہوتے





180

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے  
ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے  
خستگی کا تم سے کیا شکوہ ، کہ یہ  
ہتکھنڈے ہیں چرخ نیلی فام کے  
خط لکھیں گے گر چہ مطلب کچھ نہ ہو  
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے  
رات پنی زمزم پہ مئے اور صبح دم  
دھوئے دھبے جامہ احلام کے  
دل کو آنکھوں نے پھنسا یا کیا مگر  
یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دام کے  
شاہ کے ہے غفلت کی خبر  
دیکھیے کب دن پھریں حتم کے  
عشق نے غالب نبھتا کر دیا  
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے



181

پھر اس انداز سے ہزار آئی  
دیکھو اے ساکنانِ خطِ خاک  
کہ زمیں ہو گئی ہے سرتاسر  
رُکِشِ سطحِ چرخِ مینائی  
سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی  
بن گیا رُوے آب پر کائی  
سبزہ و گل کے دیکھنے کے لیے  
چشمِ زر گس کو دی ہے بنیائی  
ہے ہوا میں شراب کی تاثیر  
بادہ نوشی ہے بادِ نیمیائی  
کیوں نہ دُنیا کو ہو خوشی غالب  
شاہِ دیندار نے شفا پائی



182

تغافلِ دوست ہوں ، میرا دماغ عجزِ عالی ہے  
اگر پہلو تھی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے  
رہا آبادِ عالم اہل ہمت کے نہ ہونے سے  
بھرے ہیں جس قدر جام و سُبُو مینا نہ خالی ہے





183

کب وہ سُنتا ہے کہانی میسری اور پھر وہ بھی زبانی میسری  
 غلشِ غمزہ خُوریز نہ پُوچھ دیکھ ٹوٹنا بہ رشتانی میسری  
 کیا بیاں کر کے مرا روئیں گے یار مگر آشفستہ بیانی میسری  
 ہوں زخو رفتہ بیدارے خیال بھول جانا ہے نشانی میسری  
 مُتقی اہل ہے مُتقی اہل میسری رک گیا دیکھ روانی میسری  
 قدرِ سنگِ سرِ رہ رکھتا ہوں سخت ارزاں ہے گرانی میسری  
 گرو بادِ رو بہِ ستابی ہوں صرصرِ شوق ہے بانی میسری  
 دہن اُس کا جو نہ معلوم ہوا کھل گئی ہیچ دانی میسری

کر دیا ضعیف نے عاجز غالب

نگ پیری ہے جوانی میسری



184

نقشِ نازِ بُتِ طناز بہ آغوشِ رقیب  
 پائے طاؤس پائے خامہ مانی مانگے

تُو وہ بدخو کہ تھمبہ کو تماشا جانے  
 غم وہ افسانہ کہ آشفستہ بیانی مانگے

وہ تپ عشق، تناس ہے کہ پھر صورتِ شمع  
 شعلہ تانبضِ حبرِ ریشہ دوانی مانگے

185

گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے  
 ہر غنچے کا گل ہونا آغوشِ کُشتانی ہے

واں گنگرِ استغنا ہر دم ہے بکندی پر  
 یاں نالے کو اور اُلٹا دعوے رسانی ہے

از بسکہ سکھاتا ہے عزمِ ضبط کے اندازے  
 جو داغِ نطنہ آیا اک چشمِ نمانی ہے





(186)

جس زحمت کی ہو سکتی ہو تدبیرِ رفو کی  
 لکھ دیجو یا رب اُسے قسمت میں عُدو کی  
 اچھا ہے سرِ انجستِ جنائی کا قصور  
 دل میں نظر آتی تو ہے اک بوندِ لُمو کی  
 کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے خوشگلی سے  
 یاں تو کوئی سُننا نہیں سنا یاد کیسو کی  
 دشنے نے کبھی مُنہ نہ لگایا ہو چکر کو  
 خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی  
 صد حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب  
 حسرت میں رہے ایک بُتِ عَرَبہ جو کی



(187)

سیابِ پشت گرمی آئینہ دے ہے، ہم  
 حیراں کیے ہوئے ہیں دلِ بیستار کے  
 آغوشِ گل کُٹودہ برائے وداع ہے  
 لے غنڈلیب چل، کہ چلے دن بہار کے



(188)

ہے وصلِ حیدر عالمِ تمکین و ضبط میں  
 معشوقِ شوخ و عاشقِ دیوانہ چاہیے  
 اُس لب سے مل ہی جائے گا بوسہ کبھی تو، ہاں  
 شوقِ فُضول و جُرأتِ زندانہ چاہیے





(189)

چاہیے اچھوں کو، چٹنا چاہیے  
 صحبتِ رنداں سے واجب ہے حذر  
 چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل؟  
 چاک مت کر جیب، بے ایام گل  
 دوستی کا پردہ ہے بیگانگی  
 دشمنی نے میری، کھو یا غم کو  
 اپنی، رسوائی میں کیا چلتی ہے سعی  
 مختصر مرنے پہ ہو جس کی امید  
 غافل، ان مہ طلعتوں کے واسطے  
 یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے  
 جاے، اپنے کو کھینچا چاہیے  
 بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیے  
 کچھ ادھر کا بھی اشارا چاہیے  
 منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے  
 کس قدر دشمن ہے، دیکھا چاہیے  
 یار ہی ہنگامہ آرا چاہیے  
 ناامیدی اُس کی دیکھا چاہیے  
 چاہنے والا بھی اچھا چاہیے

چاہتے ہیں خوب رویوں کو اسد  
 آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے



(190)

ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے  
 درس عنوان تماشا بہ تغافل خوشتر  
 وحشتِ ترش دل سے شب تنہائی میں  
 غم عشاق نہ ہو سادگی آموز بُستاں  
 اثرِ آبلہ سے حبابِ صحرائے جنوں  
 بیخودی! بسترِ تہیدِ فراغت ہو جو!  
 شوقِ دیدار میں گر تو مجھے گردن مارے  
 بیکسی ہائے شب ہجر کی وحشت، ہے ہے!  
 گردشِ ساغرِ صد جلدِ رنگین تجھ سے  
 آئینہ داری یک دیدہ حیراں مجھ سے  
 میری رفتار سے، بھاگے ہے بیاباں مجھ سے  
 ہے نگہ رشتہ شیرازہ فرگاں مجھ سے  
 صورتِ دود رہا سایہ گریزاں مجھ سے  
 کس قدر خانہ آئینہ ہے ویراں مجھ سے!  
 صورتِ رشتہ گوہر ہے چراغاں مجھ سے  
 پُرسے سانس کی طرح میرا شہستان مجھ سے  
 ہونگہ، مثلِ گلِ شمع، پریشاں مجھ سے  
 سایہ خورشیدِ قیامت میں ہے نہاں مجھ سے  
 آئینہ داری یک دیدہ حیراں مجھ سے

نغمہ گرم سے اک گل پکتی ہے اسد  
 ہے چراغاں خس و خاشاکِ گلستاں مجھ سے



لے بعض نسخوں میں میری کی جگہ ”بری“ چھپا ہے مگر یہاں ”میری“ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے اور اکثر مستند نسخوں میں ”میری“ ہی چھپا ہے۔

لے ”ہو جو“ = ”ہو جو“۔ ”یہ ہو جو“ نہیں ہے، جیسا بعض اصحاب پڑھتے ہیں۔ ”ہو“ بہ واو معروف بولا جاتا ہے۔



(191)

منجھتے چیں ہے، غم دل اُس کو سنائے نہ بنے  
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے  
میں بلاتا تو ہوں اُس کو مگر اے جذبہ دل  
اُس پر بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے  
کھیل سمجھا ہے، کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے  
کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے  
غیر پھرتا ہے لیے یوں ترے خط کو کہ اگر  
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے  
اس نزاکت کا بُرا ہو، وہ بجلے ہیں تو کیا  
ہاتھ آویں تو انھیں ہاتھ لگائے نہ بنے  
کہہ سکے کون کہ یہ سب لوہ گری کس کی ہے  
پردہ چھوڑا ہے وہ اُس نے کہ اٹھائے نہ بنے  
موت کی راہ نہ دیکھوں؟ کہ بن آئے نہ ہے  
تم کو چاہوں؟ کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے  
بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے  
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب  
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے



(192)

چاک کی خواہش اگر وحشت بر عریانی کرے  
صبح کے نائند زخم دل گریبانی کرے  
جلوے کا تیرے وہ عالم ہے کہ گریب خیال  
ویدہ دل کو زیارت گاہ حیرانی کرے  
ہے شکستن سے بھی دل نوید، یارب کب تک  
آجیگنہ کوہ پر عرض گراں بانی کرے  
میکدہ گر چشم مست ناز سے پاوے شکست  
موتے شیشہ دیدہ ساغر کی مژگانی کرے  
خط عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عہد  
یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے







193

وہ آکے خواب میں تسکین اضطراب تو دے  
 ولے مجھے تپش دل محال خواب تو دے  
 کرے ہے قتل، لگاوٹ میں تیرا رو دینا  
 تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے  
 دکھا کے جنبش لب ہی تمام کر ہم کو  
 نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں جواب تو دے  
 پلا دے اوک سے ساقی! جو ہم سے نفرت ہے  
 پیالہ گر نہیں دیتا، نہ دے، شراب تو دے  
 اسد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤ پھول گئے  
 کہا جو اُس نے: ذرا میرے پاؤ داب تو دے



194

تپش سے میری وقف کشمکش ہر تار بستر ہے  
 مرا سر رنج بالیں ہے مرا تن بار بستر ہے  
 سرشک سر بہ صحرادادہ، نور العین دامن ہے  
 دل بے دست و پا افتادہ، بر خور بار بستر ہے  
 غشا اقبال رنجوری، عیادت کو تم آئے ہو  
 فروغ شمع بالیں طالع بیدار بستر ہے  
 بہ طوفان گاہ جوش اضطراب شام تنہائی  
 شعاع آفتاب صبح محشر تار بستر ہے  
 ابھی آتی ہے بوبالش سے، اُس کی زلف مشکین کی  
 ہماری دید کو خواب زلیخا عار بستر ہے  
 کہوں کیا، دل کی کیا حالت ہے ہجر یار میں غالب  
 کہ بیابانی سے ہر ایک تار بستر خار بستر ہے



195

خطر ہے رشتہ الفت رگ گردن ہو جاوے غور دوستی آفت ہے، تو دشمن نہ ہو جاوے  
 سمجھ اس فصل میں کوتاہی نشو و نما غالب اگر گل سرو کے قامت پر پیرا ہن نہ ہو جاوے





(196)

فساد کی کوئی لے نہیں ہے

نالہ پاسبان نے نہیں ہے  
کیوں بوتے ہیں باغبان تو نے  
گر باغ گدے مے نہیں ہے  
ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے  
پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے  
ہاں کھائیو مت فریب ہستی

ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے  
شادی سے گزر کہ غم نہ ہو دے  
اُردی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے  
کیوں روضہ مدح کرے ہے زہد  
مے ہے یہ گس کی قے نہیں ہے

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب

آخر تو کیا ہے، اے نہیں ہے

دلہ دلہ دلہ دلہ دلہ دلہ

لے نسخہ نظامی نسخہ عرش اور نسخہ ملک نام میں یہ مصرع "تو کے بغیر چھپا ہے۔ ایک خستہ حال پرانے شے میں بھی جوشاید بطبع احمدی دہلی میں چھپا تھا" تو نہیں ہے۔ باقی تمام قدیم و جدید نسخوں میں جو غلط سے گزرے، "تو" موجود ہے۔ طباطبائی نے اس مصرع کو "تو" کے ساتھ شائع کر کے "سی" پر غرضی اعتراض کیا ہے مگر پھر خود ہی اعتراض کو رد کر دیا ہے۔ دو قدیم نسخوں میں "سی" کی جگہ سے "بھی" چھپا ہے۔ جو ضرورت قابل ترجیح معلوم ہوئی، متن میں درج ہے۔  
لے نسخہ عرش : "رہوے"



(197)

نہ پوچھ شحہ مرہم جراحہ دل کا  
کہ اُس میں ریزہ الماس جزوِ اعظم ہے  
بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی  
وہ اک نگہ کہ بہ ظاہر نگاہ سے کم ہے



(198)

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے  
مرتے ہیں، ولے اُن کی تمنا نہیں کرتے  
در پردہ انہیں غیر سے ہے ربط نہسانی  
ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردا نہیں کرتے  
یہ باعثِ نو میدی ارباب ہوں ہے  
غالب کو بُرا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے



کہ ایک عصر سے حسرت پرست بالیں ہے  
بجا ہے، مگر نہ سُنے نالہ ہائے مُلبِ زار  
کہ گوشِ گلِ زخمِ شبنم سے پنبہ آگیاں ہے  
اسد ہے نزع میں، چل بے وفا برائے خدا  
مقامِ ترکِ حجاب و وداعِ تمکین ہے

200

کیوں نہ ہو پچھتم بُبساں محو تغافل، کیوں نہ ہو  
یعنی اِس بیمار کو نظارے سے پرہیز ہے  
مرتے مرتے، دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی  
و اے ناکامی کہ اُس کافر کا خنجر تیز ہے

عارضہ شکل دیکھ روتے یار یاد آیا اس  
جوشِ فصلِ بہاری اشتیاقِ نغمہ ہے

•••••

لے نسخہ عرضی میں غالباً بالیں کی رعایت سے ”سرشردیدہ“ درج کیا گیا ہے، مگر دوسرے قدیم و جدید نسخوں میں، جو نظریے کو گزرنے کے ”دل شوریہ“ ہی چھپا ہے۔ طباطبائی نے متن میں ”دل شوریہ“ درج کر کے احتمال ظاہر کیا ہے کہ غالب نے ”سرشردیدہ“ ہی لکھا ہو گا۔ پھر کہتے ہیں کہ معنی شوق و دلچسپی کا ہے۔ ”دل شوریہ“ کا احتمال کم ہے اس لیے متن میں ”دل“ ہی درج کیا گیا ہے۔ دل شوریہ کو بالین راحت کی حسرت ہے۔

دیا ہے دل اگر اُس کو، بشر ہے، کیا کیے  
یہ ضد کہ آج نہ آوے اور آئے پن نہ رہے  
رہے ہے یوں کہ وہ بے گم کہ کوئے دوست کو اب  
زہے کر شمشہ کہ یوں دے رکھا ہے ہم کو فریب  
سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پریش حال  
تھیں نہیں ہے سرِ شمشہ دفا کا خیال  
انہیں سوال یہ زعمِ جنوں ہے کیوں لڑیے؟  
حسدِ سزاے کمالِ سخن ہے کیا کیے!

کہا ہے کس نے کہ غالب بُرا نہیں، لیکن  
سو اے اس کے کہ آشفقہ مر ہے، کیا کیے



۱۷۔ فسفہ نظامی، فسفہ رحیمیہ اور مسعود دوسرے قدیم فسفوں، نیز طباطبائی، حسرت مولانی، بیجو، دہلوی، قمر وغیرہم کے فسفوں میں "جی" ہی چھپا ہے مگر فسفہ عربی میں "جی" درج ہے جو غالباً منشی شو نرائن کے فسفے کی تقلید میں ہے۔ بہر حال اس سے کوئی خاص مندرجہ فرق پیدا نہیں ہوتا۔



202

دیکھ کر درپردہ گرم دامن افشانی مجھے  
 بن گیا تیغِ نگاہ یار کا سنگِ فشاں  
 کیوں نہ ہو بے التفاتی، اُس کی خاطر جمع ہے  
 میرے غم خانے کی قیمت جب رقم ہونے لگی  
 بدگماں ہوتا ہے وہ کافر، نہ ہوتا کاٹھکے  
 وائے، واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا  
 وعدہ آنے کا وفا کیجیے یہ کیا انداز ہے  
 ہاں نشاطِ آمدِ فصلِ بہاری، واہ واہ  
 کر گئی وابستہ تن میری عریانی مجھے  
 مرجائیں! کیا مبارک ہے گرا نجانے مجھے  
 جانتا ہے محوِ پریشانی پناہی مجھے  
 لکھ دیا منجملہ اسبابِ ویرانی مجھے  
 اس قدر ذوقِ نوائے مرغِ بُستانی مجھے  
 لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے  
 تم نے کیوں سوچی ہے میرے گھر کی دہانی مجھے  
 پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزل خوانی مجھے

دی مرے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی  
 میرزا یوسف ہے غالب، یوسف ثانی مجھے



203

یاد ہے شادی میں بھی ہنگامہ "یارب" مجھے  
 سحرِ زاہد ہوا ہے خندہ زیر لب مجھے  
 ہے کشادہ خاطر وابستہ در زہن سُخن  
 تھا طلسمِ قُضلِ اجداد، خانہِ مکتب مجھے  
 یارب اس آشفستگی کی داو کس سے چاہیے  
 رشکِ آسائش پہ ہے زندانیوں کی اب مجھے  
 طبع ہے مشتاقِ لذتِ ہائے حسرت، کیا کروں  
 آرزو سے ہے شکستِ آرزو مطلب مجھے  
 دل لگا کر آپ بھی غالبِ مٹھی سے ہو گئے؟  
 عشق سے آتے تھے مانعِ میرزا صاحب مجھے





مُحَمَّدِ شہ میں اہل سُخُن کی آزمائش ہے جہاں میں خوشنویان چین کی آزمائش ہے  
قد و گیسو میں قیس و کوہن کی آزمائش ہے جہاں ہم ہیں وہاں دارورسن کی آزمائش ہے  
کریں گے کوہن کے حوصلے کا امتحان آخر ہنوز اُس خستہ کمرے نیرتے کی آزمائش ہے  
نسیم مصر کو کیا پیر کنگساں کی ہوا خواہی اُسے یوسف کی بُجے پیرین کی آزمائش ہے  
وہ آیا بزم میں دیکھو، نہ کیو پھر کہ غافل تھے شکیب و صبر اہل انجن کی آزمائش ہے  
رہے دل ہٹی میں تیرا چھا، جگر کے پار ہو بہتر غرض شستِ بُتِ ناک و گلن کی آزمائش ہے  
نہیں کچھ سُبْحہ و زُنار کے پھندے میں گمراہی وفا داری میں شیخ و پرمہن کی آزمائش ہے  
پڑا رہ اے دل وابستہ، بیابانی سے کیا حاصل مگر پھر تابِ زلفِ پُر شکن کی آزمائش ہے  
رگ و پے میں جب اُترے زہرِ غم تب دیکھیے کیا ہو ابھی تو تلخیِ کام و دہن کی آزمائش ہے  
وہ آویں گے مرے گھر؟ وعدہ کیسا، دیکھنا غالب  
نئے فتنوں میں اب سپرِ کُن کی آزمائش ہے



لے نسخہ عرشی میں ہنوز کی جگہ "ابھی" چھپا ہے جو قدیم و جدید نسخے نظر سے گزرے، اُن سے اس کی کوئی سند نہیں ملی۔ یہ غالباً سبکو کتابچہ  
۱۷ نسخہ نظامی، نسخہ جدید، نسخہ عرشی اور متعدد دیگر نسخہ اُسے قدیم و جدید میں مصرع اُسی طرح درج ہے جس طرح متن میں چھپا ہے  
مگر نسخہ قدیم میں غالباً سبکو کتاب سے "رہے" گزشتہ میں تیرا چھا" ملتا ہے۔ بعض قدیم نسخوں میں "دل میں ہی" بھی چھپا ہے، جو  
سبکو کتاب سے ہے مگر "رہے" گزشتہ میں "کیوں نہیں بلا، نہ یہ قابلِ ترجیح معلوم ہوتا ہے۔



کبھی نیکی بھی اُس کے جی میں گر آجائے ہے مجھ سے کبھی نیکی بھی اُس کے جی میں گر آجائے ہے مجھ سے  
جنائیں کر کے اپنی یاد شرمایا جائے ہے مجھ سے جنائیں کر کے اپنی یاد شرمایا جائے ہے مجھ سے  
خدا یا حبزبہ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے خدا یا حبزبہ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے  
کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھینچتا جائے ہے مجھ سے کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھینچتا جائے ہے مجھ سے  
وہ بدخو اور میری داستانِ عشق طولانی وہ بدخو اور میری داستانِ عشق طولانی  
عبارت مختصر، قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے عبارت مختصر، قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے  
اُدھر وہ بدگمانی ہے، اُدھر یہ ناتوانی ہے اُدھر وہ بدگمانی ہے، اُدھر یہ ناتوانی ہے  
نہ پوچھا جائے ہے اُس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے نہ پوچھا جائے ہے اُس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے  
سنبلنے دے مجھے اے ناامیدی، کیا قیامت ہے سنبلنے دے مجھے اے ناامیدی، کیا قیامت ہے  
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے  
حکمتِ برطرف، نظارگی میں بھی سہی لیکن حکمتِ برطرف، نظارگی میں بھی سہی لیکن  
وہ دیکھا جائے، کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے وہ دیکھا جائے، کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے  
ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی  
نہ جھاگا جائے ہے مجھ سے، نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے نہ جھاگا جائے ہے مجھ سے، نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے  
قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہم سفر غالب قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہم سفر غالب  
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے



206

ز بسکہ مشق تماشا جُنوں علامت ہے  
گشاؤ و بستِ مژہ سیلی ندامت ہے  
نہ جانوں کیونکہ رُمٹے داغِ طعن بد عہدی  
تجھے کہ آئندہ بھی دُطرِ ملامت ہے  
بہ بیچِ وقاب ہو سِک لبِ عافیت مت توڑ  
نگاہِ عجز سرِ رشتہ سلامت ہے  
وفا مُت اہل و دعوایِ عشق بے بنیاد  
جُؤنِ ساختہ و فصلِ گل، قیامت ہے



لے لطیفاتی کی رے میں یہاں کہ "کی جگہ" تو "ہونا چاہیے تھا"



207

لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے  
میرا ذمہ ، دیکھ کر گر کوئی بتلا دے مجھے  
کیا تعجب ہے کہ اُس کو دیکھ کر آجائے رحم  
واں تلک کوئی کسی حیلے سے پہنچا دے مجھے  
مُنہ نہ دکھلاوے ، نہ دکھلا ، پر بہ اندازِ عتاب  
کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے  
یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں  
زُلف گر بن جاؤں تو شانے میں اکجھا دے مجھے



لے نسخہ عرشی میں کہ "کی جگہ" چھپا ہے۔ نسخہ نظامی میں کہ "درج ہے۔"

لے اس شعر کا پہلا مصرع یوں ہی ہے۔ دوسرے کے متعلق لطیفاتی نے لکھا ہے کہ "خالصے آنکھیں دکھانا بصیرتِ جمع  
باندھا ہے مگر فصیح وہی ہے کہ آنکھ دکھانا کہیں"۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ اردو کے اکثر فصیح اساتذہ نے  
آنکھیں دکھانا بھی کہا ہے۔ ان میں میر، آتش، معروف، مصطفیٰ، اسیر، انس، ذوق، مومن، ظفر، جرات، نسیم دہلوی، نعیم  
شمال ہیں۔



208

باز بچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے  
اک کھیل ہے اور نگہِ سیماں مئے نزدیک  
جُز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور  
ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے  
ہست پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے  
سچ کہتے ہو خو وہیں و خود آرا ہوں نہ کیوں نہیں  
پھر دیکھیے اندازِ گل افشانی گفتار  
نفرت کا گلاں گزرے ہے، میں رشک سے گزرا  
ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر  
عاشق ہوں یہ معشوق فریبی ہے مرا کام  
خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مرنے جاتے  
ہے موجدِ اک مثلِ مژدہ خوں کاشی ہی ہو  
گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم نہا

ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے  
اک بات ہے عجا ز میسا مرے آگے  
جُز وہم نہیں ہستی اشیاء مرے آگے  
گھستا ہے حب میں خاک پہ دریا مرے آگے  
تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے  
بیٹھا ہے بُت آنہ سیما مرے آگے  
رکھ دے کوئی پیمانہ صہبا مرے آگے  
کیونکہ کہوں لو نام نہ اُن کا مرے آگے  
کعبہ مرے پیچھے ہے، رکلیسا مرے آگے  
مجنوں کو بُرا کہتی ہے لیلے مرے آگے  
آئی شبِ ہجر اں کی تمنا مرے آگے  
آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے  
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا  
غالب کو بُرا کیوں کہو، اچھا! مرے آگے



209

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کیے  
نہ کیو طعن سے پھر ٹم کہ ہم ستگر ہیں  
وہ بیشتر سہی پر دل میں جب اتر جاوے  
نہیں ذریعہ راحت جراحاتِ پریکاں  
جو مدعی بنے اُس کے نہ مدعی بنیے  
کہیں حقیقت جانکا ہی مرض لکھیے  
کبھی شکایتِ رنجِ گر ان نشیں کیجے  
رہے نہ جان تو قاتل کو خُونبھاویجے  
نہیں بنگار کو اُلفت نہ ہو، بنگار تو ہے  
نہیں بہار کو فرصت نہ ہو، بہار تو ہے

تمہیں کہو کہ جو ٹم یوں کہو تو کیا کیے  
مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو، بجا کیے  
نگاہ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کیے  
وہ زخمِ تیغ ہے جس کو کہ دکشا کیے  
جو ناسزا کہے اُس کو نہ ناسزا کیے  
کہیں مُصیبتِ ناسازی دوا کیے  
کبھی حکایتِ صبرِ گرِ ز پا کیے  
کٹے زبان تو خنجر کو حربا کیے  
روانیِ روش و مستی ادا کیے  
طراوتِ چمن و خوبی ہوا کیے

سفینہ جب کہ کنارے پہ آگیا غالب  
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کیے



لے نسخہ نظامی میں یہاں کہی کی جگہ کہیں درج ہے جو مہرین طور پر سو کلمات ہے۔ دیگر قدیم و جدید نسخوں میں یہ دونوں شعر صحیح یا غلط، دونوں ہی صورتوں میں ملتے ہیں۔ صحیح صورت سے مراد وہ صورت ہے جو متن میں درج کی گئی۔ دوسری صورت، کہیں کے ساتھ غلط



(210)

رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے  
صرف بہائے ہوئے آلاست میکیشی  
دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے  
تھے یہ ہی دو حساب سوئوں پاک ہو گئے  
بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے  
پر دے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے  
آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے  
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے  
اُس رنگ سے اٹھانی گل اُس نے اسد کی نعش  
دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہو گئے



(211)

نشہ ہا شاداب رنگ و ساز ہا مست طرب  
ہم نشیں مبت کہ کہ بہیم کرنے بزم عیش و دست  
نشہ مے سرو سبز جو تبارِ نغمہ ہے  
واں تو میرے نالے کو بھی عتبارِ نغمہ ہے



لہ ایک آدھ نئے میں ہم بھی چھپا ہے۔

لہ نشہ ہر میں یہ مصرع یوں درج ہے : اُس رنگ سے گل اُس نے اٹھانی اسد کی نعش

مقابلے سے معلوم ہوا کہ دوسرے کسی، زیر نظر، قدیم و جدید نئے میں یہ مصرع یوں درج نہیں۔ لہذا اسے سہو کاتب سمجھنا چاہیے۔ ایک آدھ نئے میں نشہ کی جگہ لکاش بھی چھپا ہے۔



(212)

عرض نازِ شوخی دنداں برائے خندہ ہے  
دعوتی جمعیتِ احباب جائے خندہ ہے  
بے عدم میں غنچہ محو عبرتِ انجامِ گل  
یک جہاں زانو تامل و رقتائے خندہ ہے  
کلفتِ آفرنگی کو عیشِ بیستابی حرام  
ورنہ دنداں در دل آفرین پنائے خندہ ہے  
سوزشِ باطن کے ہیں احباب منکر و زنہ یال  
دل محیطِ گریہ و لب آشنائے خندہ ہے



(213)

حسنِ بے پروا خریدارِ مستِ جلوہ ہے  
آئینہ زانوئے فکرِ خستہ جلوہ ہے  
تا کجا اے آگہی رنگِ تماشا بختن  
چشم و اگر دیدہ آغوشِ فداع جلوہ ہے



لہ نشہ ہرشی اور بعض دیگر موقوفہ سخن میں ہیں میان سوزش کی جگہ سوزش چھپا ہے۔ شاعر نے یقیناً سوزشِ باطن ہی کہا ہوگا کیونکہ احباب اُس کے لب اے خنداں کو دیکھ کر اُس کے غمِ نہاں کا انکار کرتے ہیں۔ خندہ آشنائیوں کا تقابل سوزشِ باطن سے ہو سکتا ہے۔ سوزشِ باطن کا ذکر یہاں غیر متعلق سا ہے۔ نشہ نظامی (۱۸۶۲ء) میں سوزشِ باطن ہی درج ہے۔





(214)

جب تک وہاں زخم نہ پیدا کرے کوئی  
عالم غمبار وحشت مجنوں ہے سرسبز  
افسردگی نہیں طرب انشاء التفات  
رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے  
چاکر جگر سے جب رہ پریش نہ واہوئی  
لخت جگر سے ہے رگ بہر خار شارِ گل  
ناکامی نگاہ ہے برقِ فطن ارہ سوز  
ہر سنگ و خشت ہے صدف گوہر شکست  
سُربِ ہوئی نہ وعدہ صبر آرزو سے عمر  
ہے وحشتِ طبیعت ایجادِ یاس خیز  
بیکاریِ جنوں کو ہے سرِ پٹینے کا شغل  
یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیداکرے کوئی  
جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

سُخن فروغِ شمع سُخن دُور ہے اس  
پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی



(215)

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی  
شرع و آئین پر مدار سہی  
چال جیسے کڑی کشتان کا تیر  
دل میں ایسے کے جا کرے کوئی  
بات پر واں زبان کھتی ہے  
وہ کہیں اور سُنا کرے کوئی  
بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ  
کچھ نہ سمجھے حسدا کرے کوئی  
نہ سُنو، گر بُرا کہے کوئی  
نہ کو، گر بُرا کرے کوئی  
روک لو، گر غلط چلے کوئی  
بخش دو، گر خطا کرے کوئی  
کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند  
کس کی حاجت روا کرے کوئی  
کیا کیا خضر نے سکندر سے  
اب کسے رہنما کرے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب  
کیوں کسی کا گلا کرے کوئی



لہ ایک اچھے فنے میں بلا اعلان نوں "کماں کا تیر چھپا ہے، مگر کس طرح یہ مصرع کچھ اکھڑا اکھڑا معلوم ہوتا ہے اور بندش ڈھیلی سی لگتی ہے۔ یقین ہے کہ غالب نے یہاں کماں "بہ اعلان نوں لکھا تھا کہ اسی طرح یہ لفظ باقی تمام، زیرِ نظر، قدیم و جدید سُخنوں میں ملتا ہے اور مصرع یوں خوب چست بھی معلوم ہوتا ہے۔



(216)

بہت سی غم گیتی، شراب کم کیا ہے  
غلام ساقی کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے!

تھاری طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے  
رقیب پر ہے اگر لطف، تو ستم کیا ہے!

سُخن میں خاتمہ غالب کی آتش افشانی  
یقین ہے ہم کو بھی، لیکن اب اُس میں دم کیا ہے!



(217)

باغ پا کر خفتانی ٹیہ ڈراتا ہے مجھے  
سایہ شاخ گل افی نظر آتا ہے مجھے  
جو ہر تیغ بہ سر چہمہ دیگر معلوم!  
ہوں میں وہ سبزہ کہ زہراب اگاتا ہے مجھے  
مدمعا محو تماشائے شکستِ دل ہے  
آہنہ خانے میں کوئی لیے جاتا ہے مجھے  
نالہ سرائیہ یک عالم و عالم کھنکھاک  
آسمان بھضیہ قمری نظنہ آتا ہے مجھے  
زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے  
دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے



(218)

روندی ہوئی ہے گو گبہ شہر یار کی  
اترے کیوں نہ خاک سرِ رگزار کی  
جب اُس کے دیکھنے کے لیے آئیں بادشاہ  
لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی  
بھوکے نہیں ہیں سیرِ گلستاں کے ہم ولے  
کیونکر نہ کھاتے کہ ہوا ہے بہار کی



لے یہ = اس قدر - لے زیادہ سُخن میں "بادشاہ" اور کم میں "پادشاہ" درج ہے۔



(219)

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نہکلے  
ڈرے کیوں میرا قاتل، کیا ہے گاس کی گردن پر  
نکلنا خلد سے آدم کا سُنستے آئے ہیں لیکن  
بھرم کھل جائے ظالم، تیرے قامت کی درازی کا  
مگر لکھو اے کوئی اُس کو خط تو ہم سے لکھو  
ہوئی اس دور میں فسوب مجھ سے بادہ آسما  
ہوئی جن سے توقع خشکی کی داد پانے کی  
محبت میں نہیں ہے فرق چینیے اور مرنے کا

کہاں میخانے کا دروازہ غالب اور کہاں داعظ  
پر اتنا جانتے ہیں، کل وہ جاتا تھا کہ ہم نہکلے



۱۔ نسخہ تہر میں یہاں ”گر“ کی جگہ ”اگر“ چھپا ہے لیکن نسخہ حمید یہ نسخہ عربی، نسخہ ملک رام، نسخہ نظامی (۱۸۹۲ء) نسخہ حیدر آبادی  
نسخہ بیچر و دہلوی، اور دیگر تمام پیش نظر، قدیم و جدید نسخوں میں ”گر“ ہی چھپا ہے اور اس میں احتمال منہی نے ایک مزید تلفظ بھی  
پیدا کر دیا ہے۔ تمام مینا شاد توں سے یہاں ”گر“ ہی غالب کا لفظ معلوم ہوتا ہے البتہ نسخہ طباطبائی (۱۹۹۱ء) میں نسخہ تہر  
ہی کی طرح ”اگر“ چھپا ہے۔ اُس نسخے میں غلط کاتب کی کثرت ہے۔ غالباً ان دونوں ہی نسخوں میں ”اگر“ غلط کاتب ہے۔ علاوہ ان  
نسخہ تہر میں کاتب نے اس غزل کے اشعار کی ترتیب بے محابا بدل ڈالی ہے۔



(220)

کوہ کے ہوں بارِ خاطر گر صدا ہو جائیے  
بے تکلف، اے شرارِ جستہ! کیا ہو جائیے  
بیضہ آسا، نگِ بال و پر ہے یہ کُنچِ قفس  
از سر نو زندگی ہو، گر رہا ہو جائیے



(221)

مستی، بہ ذوقِ غفلتِ ساقی، ہلاک ہے  
موجِ شراب، یکِ مژدہ خواہناک ہے  
جُزِ زحیم تیغِ ناز، نہیں دل میں آرزو  
جَبِپ خیال بھی ترے ہاتھوں سے چاک ہے  
جوشِ جنوں سے کچھ فطرتِ آما نہیں اُٹلا  
صحرا ہماری آنکھ میں یکِ مُشتِ خاک ہے



۱۔ نسخہ تہر میں اس کی جگہ ”مجھے“ چھپا ہے مگر یہ سو کاتب معلوم ہوتا ہے کیونکہ دوسرے مصرعے میں ”تکلم“ نے صیغہ جمع استعمال کیا ہے۔  
کسی دوسرے نسخے سے اس کی سند بھی نہیں ملتی۔

(222)

لب عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گوارہ جنبانی  
قیامت کُشتہ لعلِ بُتاں کا خواب سنگیں ہے

(223)

آبرِ سیلاب طوفانِ صدائے آب ہے  
نقشِ پا جو کان میں رکھا ہے انگلی جادہ سے  
بزمِ حُش کدہ ہے کس کی چشمِ مست کا  
ریشہ میں نبضِ پری پنہاں ہے موجِ بادہ سے

(224)

ہوں میں بھی تماشا فی نیرنگِ تماشا  
مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی بر آوے

(225)

سیاہی جیسے گر جاوے دمِ تحریر کا غذیر  
مری قیمت میں یوں تصویر ہے شبِ بے سجاں کی



(226)

ہجومِ نالہ، حیرتِ عاجزِ عرضِ یکِ افعال ہے  
خموشی ریشہ صد نیساں سے خُش بندیاں ہے  
تکلفِ بر طرف، ہے جائِستاں تر لطفِ بدعیاں  
نگاہِ بے حجابِ نازِ تیغِ تیزِ عسبیاں ہے  
ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلفِ کیفیتِ شادی  
کہ صبحِ عیدِ مجھ کو بدتر از چاکِ گریباں ہے  
دل و دینِ نقدِ لا، ساتی سے گر سودا کیا چاہے  
کہ اس بازار میں ساغرِ متاعِ دستگرداں ہے  
غمِ آغوشِ بلا میں پرورشِ دیتا ہے عاشق کو  
چراغِ روشن اپنا شلزمِ صرصر کا مرجاں ہے

(227)

خمشوں میں تماشا ادا نکلتی ہے نگاہِ دل سے ترشیِ سرمہ سا نکلتی ہے  
فشارِ تنگیِ خلوت سے بنتی ہے شبنم صبا جو غنچے کے پردے میں جا نکلتی ہے  
نہ پوچھ سینہ عاشق سے آپ تیغِ نگاہ کہ زحیمِ روزنِ در سے ہوا نکلتی ہے



لے نغمہِ حسرت میں تھے چھپا ہے۔ و تیرم ترنوں میں ترے اور تری کی تیز شکل تھی شوکا مفہوم دونوں صورتوں میں تقریباً ایک ہی رہتا ہے۔



(228)

جس جانِ سیم شانہ کش زلف یار ہے  
کس کا سراغ جب وہ ہے حیرت کو اڑھا  
ہے ذرہ ذرہ تنگی جا سے غبارِ شوق  
دل مدعی و دیدہ بنا مدعیِ علیہ  
چھڑکے ہے شبِ بنم آئینہ برگ گل پر آب  
پہنچ آ پڑی ہے وعدہ دلدار کی مجھے  
بے پردہ سوے داد می مجنوں گزرنہ کر  
اے عندلیب یک کفِ خس بہرِ اشیاں  
دل مت گنوا جب نہ سہی ہیر ہی سہی

غفلت کفیلِ عمر و اسد ضامنِ نشاط  
اے مرگِ ناگساں تجھے کیا انتظار ہے



لہ نسخہ طباطبائی میں کی نقاب چھپا ہے۔ قدیم تر نسخوں میں یوں بھی رہا جو عموماً یاے حلی ہی چھپی ہے مگر نقاب کی تذکرہ تائید  
کے بارے میں تو دہلی و کھنڈ کا جہا جہا شیعہ بھی تھا غالب نے لکھا ہے: ع زلف سے بڑھ کر نقاب اس شعر کے نسخہ پر لکھا



(229)

آئینہ کیوں نہ دُوں کہ تماشا کہیں چسے  
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں چسے  
حسرت نے لا رکھا تری بزمِ خیال میں  
گلدستہ نگاہ سویدا کہیں چسے  
پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا  
افسونِ انتظارِ تمنا کہیں چسے  
سر پر ہجومِ دروِ عنبرِ بی سے ڈالے  
وہ ایک مُشتِ خاک کہ صحرا کہیں چسے  
ہے چشمِ تر میں حسرتِ دیدار سے نہاں  
شوقِ عیناں گسیختہ، دریا کہیں چسے  
درکار ہے شگفتنِ گلہاے عیش کو  
صبحِ بہار، پنبہ میں نا کہیں چسے

غالب بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کہے  
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں چسے؟



لہ نسخہ تہر میں کوئی ہے کی جگہ ہے کوئی چھپا ہے کسی دوسرے، پیش نظر قدیم و جدید نسخے میں یہ شعر اس طرح درج نہیں ہے۔



230

شبم بہ گل لالہ نہ خالی ز ادا ہے  
دل غول شدہ کشمکش حسرت دیدار  
شعلے سے نہ ہوتی، ہو س شعلہ نے جو کی  
تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بہ صد ذوق  
قمری کعب خاکستر و بلبل قفس رنگ  
خونے تری افسردہ کیا وحشت دل کو  
مجبوری و دعوے گرفتاری الفت  
معلوم ہوا حال شہیدان گزشتہ  
اے پر تو غور شہید جہاں تاباں اوھر بھی  
ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد  
دارغ دل بے درد نگر گاہ حیا ہے  
آئینہ بہ دست بُت بدست جنا ہے  
جی کس قدر افسردگی دل چبلا ہے  
آئینہ بہ انداز گل آغوش کٹا ہے  
اے نالہ! نشانِ جگر سوختہ کیا ہے  
منعشوقی و بے ہوگی طرف بلا ہے  
دست ترسنگ آمدہ بیان وفا ہے  
تیغِ ستم آئینہ تصویرِ مٹا ہے  
سانے کی طرح ہم پر عجب وقت پڑا ہے  
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

بیگانگی حلق سے بیدل نہ ہو غالب  
کوئی نہیں تیرا، تو مری جان، خدا ہے



لے نسخہ عرشی میں اس غزل کے چوتھے شعر تمثال میں تیری اے کو تیرا شعر بنایا گیا ہے۔ طباعت کا شعبہ معلوم ہوتا ہے جاری  
ترتیب نسخہ نظامی کے مطابق ہے۔ اکثر دوسرے مروج نسخے بھی اسی کے مطابق ہیں۔  
لے نسخہ تہر میں یہ اس غزل کا دسواں شعر ہے۔ یہ بھی سہو کتابت کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔



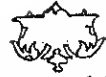
231

منظور مہتی یہ شکل تجبلی کو نور کی  
اک خوشچکاں کفن میں کروڑوں بناو ہیں  
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ جو کی  
وا عطا نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو  
لڑتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل، کہ کیوں اٹھا  
آدہ ہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج  
گو داں نہیں یہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں  
کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب  
گر می سہی کلام میں لبیک نہ اس قدر  
کی جس سے بات اُس نے شکایت ضرور کی  
قیمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی  
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ جو کی  
کیا بات ہے تمہاری شرابِ ظہور کی  
گویا ابھی سنی نہیں آوازِ صُور کی  
اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طُور کی  
کعبے سے ان بُتوں کو بھی نسبتِ دور کی  
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی  
کی جس سے بات اُس نے شکایت ضرور کی

غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں  
حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی



لے نسخہ عرشی میں "نور" کی جگہ "طور" چھپا ہے۔ یہ سہو طباعت ہے۔  
لے نسخہ تہر : آؤ نا۔  
لے نسخہ تہر : "برادر شاہ نے غالب ۱۸۵۱ء میں حج کا ارادہ کیا تھا اور غالب ساتھ جانے کے ارادہ مندر تھے۔



غم کھانے میں بودا دل ناکام بہت ہے  
 یہ رنج کہ کم ہے نئے گلغام بہت ہے  
 کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ  
 ہے یوں کہ مجھے دُرُوتِ جام بہت ہے  
 نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کیں میں  
 گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے  
 کیا زہ کو مانوں کہ نہ ہو گر چہ ریا  
 پاداشِ عمل کی طمع خام بہت ہے  
 ہیں اہل رخ و کس روش خاص پہ نازاں؟  
 پابستگی رسم و رہ عام بہت ہے  
 زمزم ہی پہ چھوڑو، مجھے کیا طوفِ حرم سے؟  
 آؤدہ بہ نئے جامہ احرام بہت ہے  
 ہے قہر گر اب بھی نہ بنے بات کہ اُن کو  
 انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے  
 خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ  
 رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے  
 ہو گا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے؟  
 شاعر تو وہ اچھا ہے یہ بدنام بہت ہے



مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے  
 کرتا ہوں جمع پھر جگرِ نختِ نخت کو  
 پھر وضعِ احتیاط سے رکنے لگا ہے دم  
 پھر گرم نالہ ہائے شہر بار ہے نفس  
 پھر پریش جراحِ دل کو چلا ہے عشق  
 پھر بھر رہا ہوں حسائے مہرگاں بے غنِ دل  
 باہر گر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب  
 دل پھر طوافِ کوئے غلامت کو جاے ہے  
 پھر شوق کر رہا ہے حسدِ یار کی طلب  
 دُور ہے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال  
 پھر چاہتا ہوں نامہ و لدا رکھو لسا  
 مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر پوس  
 چاہے ہے پھر کسی کو مفتِ بل میں آرزو  
 اک نو بہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ  
 پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں  
 جی دھو ڈالتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن

جوشِ قدح سے بزمِ چراغاں کیے ہوئے  
 عرصہ ہوا ہے دعوتِ مہرگاں کیے ہوئے  
 برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے  
 مدت ہوئی ہے سیرِ چراغاں کیے ہوئے  
 سامانِ صد ہزار مسکداں کیے ہوئے  
 سازِ چین طرازِ داماں کیے ہوئے  
 نظارہ و خیال کا ساماں کیے ہوئے  
 پندار کا سنگِ نمکدہ ویراں کیے ہوئے  
 عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کیے ہوئے  
 صد گلستاں نگاہ کا ساماں کیے ہوئے  
 جاں نذرِ لہوِ سیرِ بی عنواں کیے ہوئے  
 زلفِ سیاہ رخ پہ پریشاں کیے ہوئے  
 سرے سے تیز دشنہ مہرگاں کیے ہوئے  
 چہرہ فروغِ نئے سے گلستاں کیے ہوئے  
 سرزیرِ بارِ منتِ درباں کیے ہوئے  
 بیٹھے رہیں تصویرِ حبا ناں کیے ہوئے

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے

بیٹھے ہیں ہم تہیتِ نطفوں کیے ہوئے

لے بعض حضرات بضافتِ بزمِ چراغاں لکھتے اور پڑھتے ہیں: بزمِ کرنا کوئی اردو محاورہ نہیں بیان فرمادے کہ جوشِ قدح سے بزمِ چراغاں کیے ہوئے



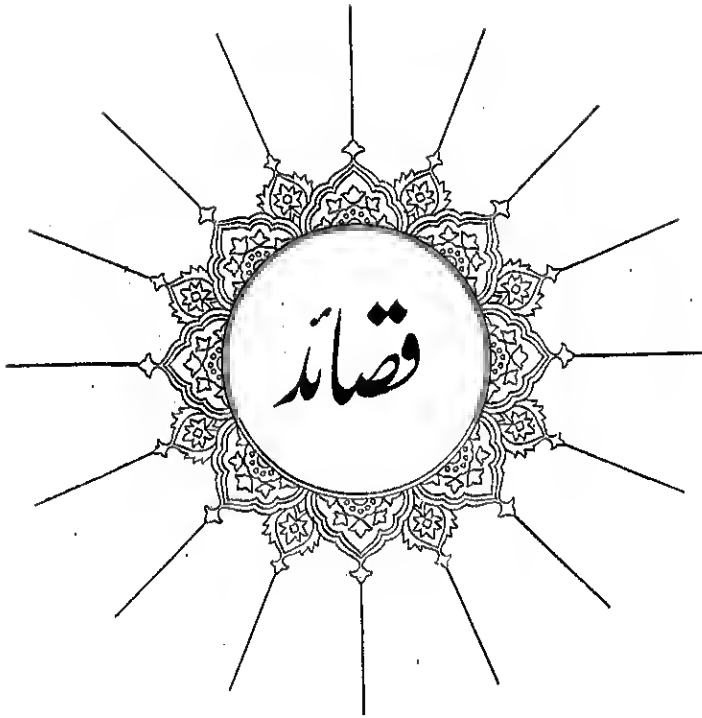
نورِ امن ہے بیدار دوست جاں کے لیے رہی نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کے لیے  
 بلا سے اگر مژدہ یارِ تشنہ خوں ہے رکھوں کچھ اپنی بھی مژگانِ غولِ نشاں کے لیے  
 وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناسِ خلق لے خضر نہ تُم کہ چور بنے عسکرِ جاوِداں کے لیے  
 رہا بلا میں بھی میں مبتلا ہے آفتِ رشک بلا ہے جاں ہے اداتیری اک جہاں کے لیے  
 فلک نہ دُور رکھ اُس سے مجھے کہ میں ہی نہیں دراز وستی قاتل کے امتحان کے لیے  
 مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر کرے قفس میں فراہمِ خسِ آشیان کے لیے  
 گدا سمجھ کے وہ چپ تھا، مری جو شامت آئے اٹھا، اور اٹھ کے قدم میں نے پاسبان کے لیے  
 بہ قدرِ شوق نہیں ظرافتِ تنگنا سے غزل ق کچھ اور چاہیے وسعتِ مرے بیاں کے لیے  
 ویسا ہے خلق کو بھی، تا اُسے نظر نہ لگے بنا ہے عیشِ تجملِ حسینِ خاں کے لیے  
 زباں پہ بارِ حُت ایا ایہ کس کا نام آیا کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے  
 نصیرِ ولت و دیں اور معینِ ملت و ملک بنا ہے چرخِ بریں جس کے آستان کے لیے  
 زمانہ عہد میں اُس کے ہے محوِ آرائش بنیں گے اور تارے اب آسماں کے لیے  
 ورقِ تمام ہوا اور مدحِ باقی ہے سفینہ چاہیے اس سحرِ بے کراں کے لیے

اداسے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا

صلا سے عام ہے یارا ان نکتہ واں کے لیے



لے یہ عجیب بات ہے کہ نسخہ حمید اور نسخہ نظامی (۱۸۶۲ء) میں، نیز متعدد دوسرے قدیم نسخوں میں یہ مصرع ایک ہی طور پر نقل چھپا ہے  
 یعنی ع گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری خوشاد سے!





## منقبتِ حیدری

سازِ یک ذرہ نہیں فیضِ چمن سے بیکار  
 سایہ لالہ بے داغ سُوید لے بہار  
 مستیِ بادِ صبا سے ہے، بہ عرضِ سبزہ  
 ریزہٴ شیشہ سے جوہرِ تیغ کُہسار  
 سبز ہے جامِ زُمرُود کی طرح داغِ پلنگ  
 تازہ ہے ریشہٴ نارنجِ صفتِ رُوسِ شرار  
 مستیِ اُبر سے گلچینِ طرب ہے حسرت  
 کہ اس آنکھ میں ممکن ہے دو عالم کا فشار  
 کوہِ صحرائے معموری شوقِ لبِ لبَل  
 راہِ خوبیدہ ہوئی خستہ و گل سے بیدار  
 سوئی ہے فیضِ ہوا، صورتِ مرگانِ تیمم  
 کافِ ہر خاک بہ گردِ دول شدہ قمری پرواز  
 کاٹ کر پھینکیے ناخن تو بہ اندازِ ہلال  
 میکدے میں ہو اگر آرزو سے گلِ چینی  
 موجِ گل ڈھونڈ بہ جستِ کدو کدہ غنچِ باغ  
 کھینچے گر مانی اندیشہٴ چمن کی تصویر  
 لعل سے کی ہے پے زفرِ منہ و حبتِ شاہ  
 وہ شہنشاہ کہ جس کے پے تعمیرِ سرا  
 فلکِ العرشِ مجوم غمِ دوشِ مزدور  
 لعل سے کی ہے پے زفرِ منہ و حبتِ شاہ  
 وہ شہنشاہ کہ جس کے پے تعمیرِ سرا  
 فلکِ العرشِ مجوم غمِ دوشِ مزدور

لے مرود جنوں میں "کے" کی جگہ "کی" چھپا ہے۔

سبزہ نہ چمن دیک خط پشت لب بام  
واں گئے ناشاک سے حال ہو جسے یک پرکا  
خاک صحرائے نجف جو ہر سیر عرفا  
ذرہ اُس گرد کا خورشید کو آئینہ ناز  
آفرینش کو ہے واں سے طلب مستی ناز  
مطلع ثانی

فیض سے تیرے ہے لے شمع شبستان بہار  
شکل طاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز  
تیری آواز کے غم سے ہے بڑے گردوں  
ہم عبادت کو ترا نقش قدم مہر ناز  
مدح میں تیری نہاں زمرہ نعت نبی  
جو ہر دست دعا آئینہ یعنی تاثیر  
مردہاں سے ہو عز احسانہ اقبال نگاہ  
شہنشاہ آں نبی کو بہ طرب خانہ دہر

ویدہ تا دل اس آئینہ یک پر تو شوق  
فیض معنی سے خط ساغر را قم سرشار



لے اکثر مروجہ معنوں میں کی ناشاک چھپا ہے۔ لفظ ناشاک برصیغہ ذکر استعمال ہوتا ہے۔ دیکھیے درنگ، انصاف، لطیفین وغیرہ۔ اس قسم کے اخلاط کی وجہ پہلے حاشی میں جگہ جگہ بیان ہو چکی ہے۔

## فی المنقبت

دہر جز حبلوہ بخت آئی معشوق نہیں  
بیدی لے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق  
ہرزہ ہے نغمہ زیر و بم ہستی و عدم  
نقش معنی ہمہ خمیازہ عرض صورت  
لاٹ دانش غلط و نفع عبادت معلوم  
مثل مضمون وفا باد بدست تسلیم  
عشق، بے ربطی شیرازہ اجزائے حواس  
کو بہن گرسنہ مزدور طرب گاہ رقیب  
کس نے دیکھا نفس اہل وفا آتش خیزا  
سامع زمرہ اہل جہاں ہوں، لیکن

ہم کہاں ہوتے اگر حُسن نہ ہوتا خود ہیں  
بکیسی لے تمہا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں  
لغو ہے آئینہ فرق جُئون تمہا کیں  
نُسخن حق ہمہ پیسا نہ ذوق تحسین  
دُر و یک ساغر غفلت ہے چو دنیا و چو دیں  
صورت نقش قدم خاک بہ فرق تمہا کیں  
وُصل، زنجار رُخ آئینہ حُسن یقین  
بیستوں، آئینہ خواب گراں شیریں  
کس نے پایا اثر نالہ و لہاے خیزا  
نہ سر و برگ ستائش، نہ دماغ نفیریں

لے باد بہت ہونا = محروم و سرکشیہ ہونا۔

کس قدر ہرزہ سدا ہوں کہ عیاذ باللہ  
نقشِ لاجل لکھ اے خامہ ہدایاں تیر  
منظر فیضِ حُدا جانِ دِل ختمِ رُسل  
ہو وہ سرمایہٴ احباب و جہاں گرمِ خرام  
جلوہ پر داز ہو نقشِ قدم اُس کا جس جا  
نسبت نام سے اُس کی ہے یہ رتبہ کہ ہے  
فیضِ خلق اُس کا ہی شایِل ہے کہ ہو تلبہ سدا  
بُرش تیغ کا اُس کی ہے جہاں میں چچا  
کفر سوز اُس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے  
جاں پناہ! دِل و جاں فیضِ رسا نا اشا  
جسمِ اطہر کو ترے ددش پیمبرِ منبر  
کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از وہب  
آستان پر ہے ترے جوہر آئینہٴ سنگ  
تیرے در کے لیے اسبابِ نثار آمادہ  
تیری مدحت کے لیے ہیں دِل و جاں گامِ زباں  
کس سے ہو سکتی ہے مداحی مُمَرِّحِ حُدا

لے نسخہ تہر میں یہاں "منظر ذاتِ خدا" کے الفاظ درج ہیں۔ یہ الفاظ دوسرے کسی زیرِ نظر نسخے میں نہیں ملے۔  
لے نسخہ تہر میں "سدا" کی جگہ "اند" چھپا ہے مگر اس کی تصدیق کسی دوسرے نسخے سے نہیں ہو سکی۔  
لے نسخہ سحرشی: "یکے"۔

(شعر ۴: گزودہ = خاکہ - یہ گردہ نہیں ہے)

چنیں بازارِ معاصی اس اللہ اسد ق کہ سوا تیرے کوئی اُس کا حنہ دیا نہیں  
شوخیِ عرضِ مطالب میں ہے گتلیخِ طلب ہے ترے حوصلہٴ فضل پہ از بس کہ لقیں  
وے دعا کو مری وہ مرتبہٴ حُسن قبول کہ اجابت کے ہر حرف پہ سوار آئیں  
غمِ شپیر سے ہو سینہٴ یہاں تک لبریز کہ رہیں خونِ جگر سے مری آنکھیں رنگیں  
طبع کو اُلفتِ دُلل میں یہ سرگرمی شوق کہ جہاں تک چلے اُس سے قدم اور مجھ سے حبیب  
دِل اُلفتِ نَسب و سینہٴ توحیدِ نَصا منجہ جلوہ پرست و نفسِ صدق گریں

صرف اعدا اثرِ شعلہ و دودِ دوزخ  
وقتِ احبابِ گل و سنبلِ فردوس بریں



لے بعض اچھے نسخوں میں "شعلہٴ دودِ دوزخ" چھپا ہے۔ "شعلہٴ دود" بے محل بات ہے۔  
لے بعض نسخوں میں "گل و سنبلِ فردوس بریں" کی عجیب و غریب ترکیب چھپی ہے۔ غالب نے "شعلہ و دودِ دوزخ" کا مقابلہ  
"گل و سنبلِ فردوس بریں" سے کیا ہے۔ گل = شعلہ - سنبل = دود

## مدح شاہ

ہاں مہ نوسنیں ہم اُس کا نام  
وہ وں آیا ہے تو نظر دوم صبح  
بارے دو وں کہاں رہا غائب  
اُڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا  
مُرجا اُسے سُرور خاص خواص  
عُذر میں تین دن نہ آنے کے  
اُس کو بھولا نہ چاہیے کہنا  
ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا  
رازِ دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے  
جانتا ہوں کہ آج وُنسیا میں  
میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش  
جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو  
مہرِ تاباں کو ہو تو ہو، اے ماہ !  
تجھ کو کیا پایہ رُوشناسی کا  
جانتا ہوں کہ اُس کے فیض سے تو  
جس کو تو جھکے کر رہا ہے سلام  
یہی انداز اور یہی اندام  
بندہ عاجز ہے، گردشِ ایام  
اسماں نے بچھا رکھا تھا وام  
حُبِ ذرا اے نشاطِ عام عوام  
لے کے آیا ہے عید کا پیغام  
صبح جو جاوے اور آوے شام  
تیرا آعزاز اور ترا انجم  
مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں مقام  
ایک ہی ہے اُمید گاہِ اَنام  
غالب اُس کا مگر نہیں ہے غلام  
تب کہا ہے بطورِ استفہام  
قُرب ہر روزہ بر سبیلِ دوام  
جز بہ تقریبِ عیدِ ماہِ صیام  
پھر بنا چاہتا ہے ماہِ تمام

لہ نسخہ نظامی : جاوے، آوے - نسخہ شوناز : جاوے، آوے -  
لہ بعض نسخوں میں "ہر روزہ" کی جگہ "ہر روز" چھپا ہے - یہ سہو کتابت ہے -

ماہ بن، ماہتاب بن، میں کون !  
میرا اپنا حُبِ دائمی ہے  
ہے مجھے آرزوئے بخشش خاص  
جو کہ بخشے گا تجھ کو فخرِ فروغ  
جب کہ چودہ سن ازلِ فلکی  
تیرے پر تو سے ہوں سُرخ پذیر  
دیکھنا میرے ہاتھ میں لبِ ریز  
پھر غزل کی روش پہ چل نکلا

غزل

زہرِ عنبر کر چکا تھا میرا کام  
نئے ہی پھر کیوں نہ میں پیسے جاؤں  
بوسہ کیا، یہی غنیمت ہے  
کعبے میں جا بجائیں گے ناقوس  
اُس قدح کا ہے دورِ مجھ کو نصیب  
بوسہ دینے میں اُن کو ہے انکار

چھڑتا ہوں کہ اُن کو غصہ آئے

کیوں رکھوں ورنہ غالب اپنا نام

لہ بعض نسخوں میں غلطی کی بنا پر یہاں "چھپے" کی جگہ "چکی" چھپا ہے -  
لہ اکثر مرثیہ نسخوں میں "چاہتا ہے لگام" چھپا ہے - نسخہ نظامی میں "چاہتا ہے لگام" درج ہے اور یہی صحیح ہے -  
لہ نسخہ مرثیہ : "غم سے جب زلیست ہو گئی ہو حرام" یہ غالب سہو کتابت ہے -

کہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہ  
کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا  
تو نہیں جانتا تو مجھ سے سن  
قبلہ چشم و دل بہادر شاہ  
شہسوار طریقتہ انصاف  
جس کا ہر فعل صورت اعجاز  
بزم میں میزبان قیصر و جم  
اے ترا لطف زندگی افشا  
چشم بد دور خسروانہ شکوہ  
جاں نثاروں میں تیرے قیصر و جم  
وارث ملک جانتے ہیں تجھے  
زور بازو میں مانتے ہیں تجھے  
مرحبا موشگافی ناوک !  
تیر کو تیرے تیر غیب ہدف  
رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند  
تیرے فیل گراں جند کی صدا  
فن صورت گری میں تیرا گرز  
اُس کے مضروب کے سرو تن سے  
جب ازل میں رستم پذیر ہوئے

اور اُن اوراق میں بہ کلاک قضا  
لکھ دیا شاہدوں کو عاشق کُش  
آسمان کو کہا گیا کہ کہیں  
حکم ناطق لکھا گیا کہ لکھیں  
آتش و آب و باد و خاک نے لی  
مہر رخشاں کا نام خسرو روز  
تیری توفیق سلطنت کو بھی  
کاتب حکم نے بہ موجب حکم  
ہے ازل سے روانی آغاز  
ہو ابد تک رسائی انجام



لہ نسخہ نظامی کی تعلیم میں مستند نسخوں میں بھی یہاں "اُس" چھپا ہے۔ نسخہ نظامی میں یہ سو کاتب معلوم ہوتا ہے کیونکہ "اُس رقم" میں اشارہ قریبی تحریر بالبدلی یعنی آخری شعر کی طرف ہے۔ نظر بہ ظاہر ہی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالمقواب۔  
لہ بعض نسخوں میں "روائی" کی جگہ "روائی" چھپا ہے۔ غالب نے "رسائی" کے مقابلے میں "روائی" لکھا تھا۔ دیکھیے طباطبائی۔

## مدح شاہ

صُبحِ دم دروازہ حناور کھلا  
خُسر و اُخسُم کے آیا صُرف میں  
وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود  
ہیں کو اکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ  
سطح گردوں پر پڑا تھا رات کو  
صُبح آیا جانبِ مشرق نظر  
تھی نظر بندی، کیا جب رُوئے سخن  
لا کے ساتی نے صُبوحو کی سیلے  
بزمِ سلطانی ہوئی آراستہ  
تاجِ زرین ہستیاں سے سوا  
شاہِ روشن دل بہاؤ رشتہ کہ ہے  
وہ کہ جس کی صورتِ تکوین میں  
وہ کہ جس کے ناخنِ تاویل سے  
پہلے دارا کا بیکل آیا ہے نام  
رُوشناسوں کی جہاں فہرست ہے  
تو سن شہ میں ہے وہ خوبی کہ جب

مہرِ عالم تاب کا منظر کھلا  
شب کو تھا گنجینہ گوہر کھلا  
صُبح کو رازِ مہ و اُخت کھلا  
دیتے ہیں دھوکا یہ باز گیر کھلا  
موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا  
اک نگارِ آتشیں رُخ، سر کھلا  
بادۂ گل رنگ کا ساغر کھلا  
رکھ دیا ہے ایک جامِ زر کھلا  
کعبہ امن و اماں کا در کھلا  
خُسر و آفاق کے مُنہ پر کھلا  
رازِ ہستی اُس پر سرتا سر کھلا  
مقصد نہ چرخ و ہفت اختر کھلا  
عُفتۂ احکام پیغمبر کھلا  
اُس کے سرتنگوں کا جب دفتر کھلا  
واں لکھا ہے چہرۂ قیصر کھلا  
تھان سے وہ غیرت صُضر کھلا

نقشِ پاکی صورتیں وہ دلفریب  
مجھ پہ فیضِ تربیت سے شاہ کے  
لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہر ایک  
تھا دل وابستہ قفلِ بے کلید  
بارغِ معنی کی دکھٹاؤں کا بہار  
ہو جہاں گرم غزلِ خوانی نفس

تو کہے بُختانہ آزر کھلا  
منصبِ مہر و مہ و محور کھلا  
میری حدِ وُسع سے باہر کھلا  
کس نے کھولا، کب کھلا، کیونکر کھلا  
مجھ سے گر شاہِ سخن گُستر کھلا  
لوگ جانیں طبلۂ عمر کھلا

غزل

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا  
ہم پکاریں اور کھلے؛ یوں کون جاے  
ہم کو سہے اس راز داری پر گھنٹ  
واقعی دل پر بھلا گتا تھا واغ  
ہاتھ سے رکھ دی کب ابرو نے کمان  
مُفت کا کس کو بُرا ہے بذرِ تہ  
سوزِ دل کا کیا کرے بارانِ اشک  
نامے کے ساتھ آگیا پیغامِ مرگ

کاشکے ہوتا قفس کا در کھلا  
یار کا دروازہ پاویں گر کھلا  
دوست کا سہے راز دشمن پر کھلا  
زخمِ لیکن واغ سے بہتر کھلا  
کب کر سے غمزے کی خنجہ کھلا  
رہروی میں پردۂ رہبر کھلا  
آگ بھڑکی، مینہ اگر دم بھر کھلا  
رہ گیا خطِ میری چھاتی پر کھلا

دیکھو غالب سے گر اُلجھا کوئی

ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا

پھر ہوا بدحت طراری کا خیال  
پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا

لے فخرِ سرخی اور معنی دیکر مستند سخن میں دکھاؤں گا چھاپا ہے گزشتہ نمای میں نیز پیش رو دیکر قدیم سخن میں دکھاؤں گا ہی چھاپا ہے جہاں بادۂ تین لاریں ظہار معلوم ہوتا ہے۔

خامے نے پانی طبیعت سے مدو  
مدح سے، مدوح کی دیکھی شکوہ  
مہر کاٹپا، چرخ چکر کھا گیا  
بادشہ کا نام لیتا ہے خطیب  
سکتہ شدہ کا ہوا ہے روشناس  
شاہ کے آگے دھرا ہے آئندہ  
ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے  
ہو سکے کیا مدح، ہاں اک نام ہے  
فکر اچھی پر ستائش نام تمام  
جاتا ہوں، ہے خط لوح ازل  
تم کرو صحبت رانی، جب تک  
ہے طلسم روز و شب کا در کھلا



لہ نسخہ عربی میں یہ مصرع یوں چھپا ہے: ع "خامے سے پانی، طبیعت نے، مدو"  
دونوں طرح شعر تقریباً ہم معنی ہی رہتا ہے۔ متن نسخہ نظامی کے مطابق ہے۔ نسخہ ہریر میں دوسرا مصرع یوں چھپا ہے: ع  
"بادباں کے اٹھتے ہی لنگر کھلا"  
یہ مصرع اس سہولت کا تب ہے۔ لنگر اٹھتا، بادباں کھلتا ہے۔

## در صفت آنسہ منوی

ہاں، دل درد مند زمرہ ساز  
خامے کا صفحے پر رواں ہونا  
مجھ سے کیا پوچھتا ہے، کیا لکھیے؟  
بارے، آموں کا کچھ بیان ہو جائے  
آم کا کون مرد میدان ہے  
تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں  
آم کے آگے پیش جاوے خاک  
نہ چلا جب کسی طرح ممتدور  
یہ بھی ناحیہ راجی کا کھونا ہے  
مجھ سے پوچھو، تمہیں خبر کیا ہے!  
نہ گل اس میں، نہ شاخ و برگ، نہ باز  
کیوں نہ کھولے درخیز نہ راز  
شاخ گل کا ہے گلگشتاں ہونا  
نمختہ ہائے حسد و فزا لکھیے!  
خامہ نخل رطب فشاں ہو جائے  
ثمر و شاخ گوے و چوگاں ہے  
آے، یہ گوے اور یہ میدان  
پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک  
بادۂ ناب بن گیا انگور  
شرم سے پانی پانی ہونا ہے  
آم کے آگے نیشکر کیا ہے!  
جب غزال آے تب ہو اس کی بہار

اور دُور اسیے قیاس کہاں  
جان میں ہوتی گر یہ شیرینی  
(جان دینے میں اُس کو کیا جان)  
نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر  
آتشِ شعل پہ قند کا ہے قوام  
یا یہ ہوگا کہ، فرطِ رافت سے  
انجبین کے، بہ حکم رب الناس  
یا لگا کر نصرت نے شاخِ نبات  
تب ہوا ہے ثمرِ فشان یہ شغل  
تھا ترنج زر ایک خسرو پاس  
آم کو دیکھتا اگر اک بار  
رونق کار گاہِ برگ و نوا  
رہو راہِ حشد کا توشہ  
صاحب شاخ و برگ و بار ہے آم  
خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو  
وہ کہ ہے والی ولایتِ عہد

جان شیریں میں یہ میٹھاس کہاں  
کو بہن باوجودِ غمگینی  
(پروہ) یوں سہل دے نہ سکتا جان  
کہ دوا حنائے ازل میں، مگر  
شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام  
باغبانوں نے باغِ جنت سے  
بھر کے بھیجے ہیں سر بھر گل اس  
مذتوں تک دیا ہے آبِ حیات  
ہم کہاں در نہ اور کہاں یہ شغل  
رنگ کا زرد پر کہاں بوباس  
پھینک دیتا طلاے دست افشار  
نازش وودمان آب و ہوا  
طوبی و سدرہ کا جگر گوشہ  
ناز پروردہ بہار ہے آم  
نورِ سخنلِ باغِ سلطان ہو  
عدل سے اُس کے ہے حمایتِ عہد

لے یہ اشعار مرزا غزو و لعل بہادر شاہ کی مدح میں ہیں۔

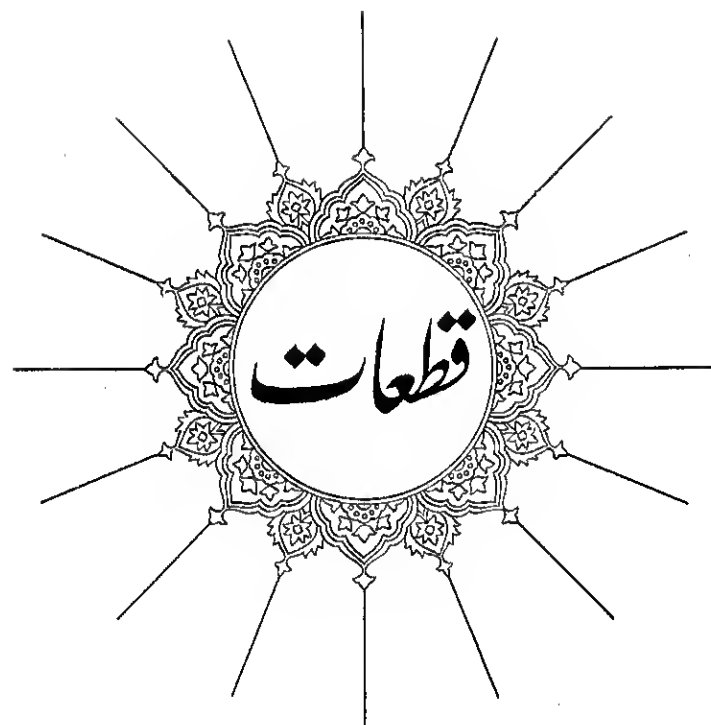
فخر دیں، عزت شان و جاہِ جلال  
کار فرمائے دین و دولت و بخت  
سایہ اس کا ہما کا سایہ ہے  
اے مفیض وجود سایہ و نور  
اس حشداوندِ بندہ پرور کو  
شاد و دلشاد و شادماں رکھو  
اور غالب پہ مہرباں رکھو

زینتِ طینت و جمالِ کمال  
چہرہ آراے تاج و سند و تخت  
حلق پر وہ حشدا کا سایہ ہے  
جب تک ہے نمودِ سایہ و نور  
وارثِ گنج و تخت و فخر کو



لے "نصرت بریں" حشر جاہ و شانِ جلال "چھا ہے"۔ اس سے کوئی معنی فرق تو پیدا نہیں ہوتا مگر اس کی کسی مستند قلم و جاہ  
پیش نظر شخص سے سند نہیں ملی۔ افسوس یہ ہے کہ بعض دیگر نسخوں میں یہ مصرع بہت غلط چھپا ہے۔ یقین ہے کہ غالب نے  
اسی طرح کہا ہوگا جس طرح تم میں درج ہے۔ "نصرتِ نظامی، نصرتِ عرش، نصرتِ حریتِ مرانی وغیرہ میں بھی اسی طرح درج ہے۔





## بہ حضورِ شاہ

اے شہنشاہِ فلک منظرِ بے مثل و نظیر  
 اے جہاندارِ کرم شیوہِ بے شبہ و عدیل  
 پاؤں سے تیرے لئے فرقِ ارادت اورنگ  
 فرق سے تیرے کرے کسبِ سعادت اکیل  
 تیرا اندازِ سخن شانہ زلفِ الہم  
 تیری رفتِ رقصِ جنبشِ بالِ جبیل  
 تجھ سے عالم پہ کھلا رابطہٴ قربِ کلیم  
 تجھ سے دُنیا میں بچھا مادہٴ بذلِ خلیل  
 بہ سخنِ آوجِ دہ مرتبہٴ معنی و لفظ  
 بہ کرمِ داغِ نہرِ ناصیہٴ شلزم و نیل  
 تا، ترے وقت میں ہو عیش و طرب کی توفیر  
 تا، ترے عہد میں ہو رنج و الم کی تقلیل  
 ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر  
 زہرہ نے ترک کیا حوت سے کرنا تحویل  
 تیری دانشِ مری اصلاحِ مفسد کی رہین  
 تیری بخشش، مرے انجارجِ مقاصد کی کفیل  
 لہ نسخہٴ نظامی، سو کتابت : توقیر۔

تیرا اقبال ترنم مرے جینے کی نوید  
 تیرا اندازِ تغافل مرے مرنے کی دلیل  
 بختِ ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھ کو اماں  
 چرخِ کج باز نے چاہا کہ کرے مجھ کو ذلیل  
 پیچھے ڈالی ہے سرِ رشتہ اوقات میں گانٹھ  
 پہلے ٹھونکی ہے بونِ ناشن تدبیر میں کیل  
 پیشِ دل نہیں بے رابطہ خوفِ عظیم  
 کششِ دم نہیں بے ضابطہ جزِ ثقیل  
 فورِ معنی سے مرا صفحہِ لقا کی ڈاڑھی  
 غمِ گیتی سے مرا سینہ اُمر کی زنجیل  
 فکرِ میری گہرا اندوزِ اشاراتِ کبشیر  
 کلکِ میری رستم آموزِ عباراتِ قلیل  
 میرے اہام پہ ہوتی ہے تصدقِ توضیح  
 میرے اجمال سے کرتی ہے تراوشِ تفصیل  
 نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف  
 جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل  
 قبلہ کون و مکاں، خستہ نوازی میں یہ دیر  
 کعبہ امن و اماں، عقدہ کشتی میں یہ طویل



لہ غائبے بیانِ انہی لکھا تھا میں سوچن تم کے ساتھ میں حضرت کا خیال ہے کہ بیانِ غمروہی لکھنا مناسب ہے انہیں پہنچا جائیے کہ غمروہی تم ساکن ہے۔



گئے وہ دن کہ، نادانستہ، غیروں کی وفاداری  
 کیا کرتے تھے تم تفتیرِ ہم خاموش رہتے تھے  
 بس اب پگڑے پہ کیا شرمندگی، جانے دو، رمل جاؤ  
 قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے



کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں  
 اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہاے ہاے  
 وہ سبزہ زار ہاے مطرا کہ ہے غضب  
 وہ ناز نہیں بُستانِ خود آرا کہ ہاے ہاے  
 صبر آزما وہ اُن کی بنگاہیں کہ، صحتِ نظر  
 طاقتِ رُبا وہ اُن کا اشار کہ ہاے ہاے  
 وہ میوہ ہاے تازہ شیریں کہ، واہ واہ  
 وہ بادہ ہاے ناب گوارا کہ ہاے ہاے



لہ اس چوتھے مصرع کا مفہوم شاعرین نے کچھ یوں قائم کر رکھا ہے ع قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے؟  
 مگر دوسرے مصرع کے آخری ٹکڑے سے اس کا جواز پیدا نہیں ہوتا۔ غالباً مطلب اور ہے۔

کیوں اسے گوہرِ نایاب تصور کیجئے کیوں اسے مردِ مکِ دیدہ عنفتا کیجئے  
 کیوں اسے میٹھمہ پیراہنِ لیلیٰ لکھیے کیوں اسے نقشِ پے ناقہِ سلمیٰ کیجئے  
 بندہ پرور کے کھن دست کو دل کیجیے فوض  
 اور اس چکنی سپاری کو سویدا کیجئے



نہ پوچھ اس کی حقیقت ہُصور والا نے  
 مجھے جو بھیجی ہے بسین کی رَو غنی روٹی  
 نہ کھاتے گیوں، نہ کھلتے نہ خلد سے باہر  
 جو کھاتے حضرتِ آدم یہ بلسینی روٹی



## چکنی ڈلی

ہے جو صاحب کے کھن دست پر یہ چکنی ڈلی  
 خامہ انجشت بہ دنداں کہ اسے کیا لکھیے  
 مہرِ مکتوبِ عزیزانِ گرامی لکھیے  
 مہی اکوہ سر انجشتِ جیناں لکھیے  
 خاتم دستِ سلیمان کے مشابہ لکھیے  
 اخترِ سوختہ قیس سے نسبت دیجے  
 حُجۃُ الاسودِ دیوارِ حرم کیجیے فرض  
 وضع میں اس کو اگر سمجھے قافِ تریاق  
 صومعے میں اسے ٹھہرائیے گر مہرِ نماز  
 کیوں اسے قفلِ درِ گنجِ محبت لکھیے

لے غالب نے ”بجھے“ میں م کو ساکن اور متحرک دونوں طرح استعمال کیا ہے۔ اب اس لفظ میں سکون م جائز نہیں۔ نسخہِ ہرین اگر سمجھے کی جگہ  
 ”سمجھ لیجیے“ چاہیے، لیکن اور کسی دستیاب نسخے میں یہ شعر تو نہیں ملا۔



یہ سہرا غالب نے اپنے دیوان میں شامل نہیں کیا تھا لیکن چونکہ بیان مُصنّف، جو آگے درج ہے، شامل کر لیا تھا، اس لیے تاریخین کی دلچسپی کے لیے یہاں سہرے کا اصرار ذکر کیا گیا ہے۔ ۵

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا  
کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے  
سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرف کلاہ  
ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہوں گے موتی  
سات دریا کے فدا ہم کیے ہوں گے موتی  
رُخ پہ دُولہا کے جو گرمی سے پسینا ٹپکا  
یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قباسے بڑھ جائے  
جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز  
جب کہ اپنے میں سہاویں نہ خوشی کے مارے  
رُخ روشن کی دمک، گو ہر غلتاں کی چمک  
تار ریشم کا نہیں، ہے یہ رگ ابر بہار  
باندھ شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا  
ہے ترے حُسن دل اندوز کا زور سہرا  
مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لب سہرا  
ور نہ کیوں لاسے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا  
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا  
ہے رگ ابر گنہگار سراسر سہرا  
رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا  
چاہیے پھولوں کا بھی ایک مقرر سہرا  
گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیوں کر سہرا  
کیوں نہ دکھلائے مُدِ مِغِ مہ و اختر سہرا  
لاے گا تاب گر نہ باری گوہر سہرا

ہم سُخن فہم ہیں، غالب کے طرفدار نہیں  
دیکھیں اس سہرے سے کہ دے کوئی بڑھ کر سہرا



لہ مُقرر = ضرور، بالیقین — شاعر حسرت موہانی میں ”مقرر“ چھاپے مگر کسی اور نسخے میں اس کی سند نہیں ملی۔  
لہ دیوان ذوق میں محمد حسین آزاد نے یہ سہرا نقل کیا ہے۔ وہاں ”بڑھ کر“ کی جگہ ”بہتر“ چھاپا ہے۔ آپ حیات میں بھی بہتر ہی چھاپا ہے، مگر  
مردہ نسخوں میں اختلاف ہے۔ معلوم نہیں غالب نے کیا کہا تھا۔  
(شعر ۷: دیوان ذوق مرتبہ آزاد میں ”رہ گیا“ کی جگہ ”رگ گیا“، مگر آپ حیات میں ”رہ گیا“ ہی چھاپا ہے۔)

## بیان مُصنّف

منظور ہے گزارِ شس احوال واقعی  
سُوئِست سے ہے پیشہ آبا سپہ گری  
آزادہ رو ہوں اور ہر اسکاٹے صلح کل  
کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں  
اُستادِ شہ سے ہو مجھے پر خاش کا خیال  
جامِ جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر  
میں کون اور رنجستہ ہاں اس سے مدعا  
سہرا لکھا گیا ز رو اِستِشالِ اُمُر  
مقطع میں آ پڑی ہے سُخن گسترانہ بات  
رُوئے سُخن کسی کی طرف ہو تو رُوسیاہ  
قسمت بُری سہی پہ طبعیت بُری نہیں

صادق ہوں اپنے قول میں غالب، خدا گواہ  
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے



لہ آپ حیات میں ”صادق ہوں اپنے قول کا“ چھاپا ہے۔ دیوان ذوق مرتبہ آزاد میں بھی ”قول کا“ ہی طبع ہوا ہے۔ نسخہ نظامی: ”قول میں“۔

## مدح نصرت الملک

نصرت الملک بسا دُرِ مجھے بتلا کہ مجھے  
 تجھ سے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے؟  
 گرچہ تُو وہ ہے کہ ہسنگامہ اگر گرم کرے  
 ردِ نِق بزمِ مہ و مہر تری ذات سے ہے  
 اور میں وہ ہوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں  
 غیر کیا، خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے  
 خستگی کا ہو بھلا، جس کے سبب سے سرِ دست  
 نسبت اک گو نہ مرے دل کو ترے ہات سے ہے  
 ہاتھ میں تیرے رہے تو سن دولت کی عیناں  
 یہ دعائِ شام و سحر قاضی حاجات سے ہے  
 تُو سکندر ہے مرا، فخر ہے ملنا تیرا  
 گو شرفِ خُصم کی بھی مجھ کو ملاقات سے ہے  
 اس پہ گزرے نہ گساں رِیو و ریا کا زہار  
 غالب خاک نشین اہل خرابات سے ہے



## چہار شنبہ آخر ماہِ صفر

ہے چار شنبہ آخر ماہِ صفر چلو  
 رکھ دیں چمن میں بھر کے مے مشکبو کی ماند  
 جو آئے، جام بھر کے پیے، اور ہو کے مست  
 سبزے کو روندنا پھرے، پھولوں کو جاے پچاند  
 غالب یہ کیا بیاں ہے، بجز مدحِ پادشاہ  
 بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نُوشْتِ خواند  
 بٹٹے ہیں سونے رُوپے کے چھپے حضور میں  
 ہے جن کے آگے سیم و زرِ مہر و ماہ ماند  
 یوں سمجھیے کہ پیچ سے حنالی کیے ہوئے  
 لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بے شمار چاند



لے نسخہ حمید یہ اور نسخہ بہترین نُوشْتِ و خواند چھپا ہے۔ باقی اکثر نسخوں میں برشمول نسخہ نظامی و نسخہ عرشی، "نُوشْتِ خواند" چھپا ہے جو اہل زبان بولتے ہیں۔  
 لے غالب نے "کیجھے" کے م کو کبھی ساکن اور کبھی متحرک استعمال کیا ہے۔ یہ لفظ سکون م کے ساتھ اب متروک ہے۔

## در مدح شاہ

اے شاہِ جہاںگیر جہاں بخش جہاں دار  
جو عظمتِ دُشوار کہ کوشش سے نہ واہو  
ممكن ہے کہ غنیمتِ سکندر سے ترا ذکر  
اصف کو سلیمان کی وزارت سے شرف تھا  
بے نقشِ مریدی ترا، فرمانِ الہی  
تو آب سے گریب کرے طاقتِ سیلاں  
دھونڈے نہ ملے موجبِ دریا میں روانی  
تجہ گرچہ مجھے محنتِ سرائی میں تو غل  
کیونکہ نہ کروں مدح کو میں ختم و عسار  
نورِ سب سے آج اور وہ دن ہے کہ ہوئے یں

تجہ کو شرفِ مہرِ جہاں تاب مبارک!  
غالب کو ترے عمتِ بہ عالی کی زیارت!



روزہ

افطارِ صوم کی چسپے کچھ دستگاہ ہو  
اُس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے  
جس پارس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو  
روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے



لہ نسخہ نظامی میں رستائش کی جگہ "شکایت" چھاپا ہے۔ نسخہ نثری نرائش میں رستائش درج ہے۔ رستائش ہی بہ ظاہر صحیح ہے۔  
لہ یہ مصرعہ مروجہ نسخوں میں نہیں چھاپا ہے: "افطارِ صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو" مگر ادارتِ غالب میں یوں چھاپا ہے جس طرح تم میں درج کیا گیا۔ یوں ہی  
دوسرے مصرعے سے اس کا رابطہ بھی بہتر معلوم ہوتا ہے۔

## گزارشِ مصنف بہ حضورِ شاہ

اے شہنشاہِ آسمان اورنگ  
تھا میں اک بے نوا اے گوشہ نشین  
تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی  
کہ ہوا مجھ سا ذرہ ناچین  
گرچہ از روئے ننگ بے ہنری  
کہ گر اپنے کو میں کہوں خاک کی  
شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں  
خانہ زاد اور مرید اور مداح  
بارے نوکر بھی ہو گیا، صد شکر  
نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں  
پیرو و مرشد! اگرچہ مجھ کو نہیں  
کچھ تو جاڑے میں چاہیے آخر  
کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش  
کچھ خریدا نہیں ہے اب کے سال  
رات کو آگ اور دن کو دھوپ!  
آگ تاپے کہاں تملک انسان  
دھوپ کی تابش، آگ کی گرمی!

اے جہاندارِ آفتاب آثار  
تھا میں اک دردمندِ سینہ فگار  
ہوئی میری وہ گرمی بازار  
رُوشناسِ ثوابت و سیار  
ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار  
جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار  
باوشہ کا عنایم کار گزار  
تھا ہمیشہ سے یہ عرصہ نگار  
نسبتیں ہو گئیں مشخص چار  
مدعاے صندوری الاطہار  
ذوقِ آتشِ سر و دستار  
تانا دے بادِ زمہیرِ آزار  
جسم رکھتا ہوں، ہے اگرچہ نزار  
کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار  
بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار  
دھوپ کھاوے کہاں تلک جاندار  
وَقَبَّ رَبَّنَا عَذَابَ النَّارِ

میری تنخواہ جو مستدر رہے  
رسم ہے مردے کی چھ ماہی ایک  
مجھ کو دیکھو تو، ہوں بہ قید حیات  
بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض  
میری تنخواہ میں تنہائی کا  
آج مجھ سا نہیں زمانے میں  
رزم کی داستان گر سنیے  
بزم کا اہست زام گر کیجے  
ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد  
آپ کا بندہ، اور پھروں ننگا؟  
میری تنخواہ کیجے ماہ بہ ماہ  
ختم کرتا ہوں اب دُعا پہ کلام:  
(شاعری سے نہیں مجھے سروکار)

تم سلامت رہو ہزار برس  
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار



سینہ گلیم ہوں، لازم ہے میرا نام نہ لے  
جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے  
ہوا نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے  
کہ جو شریک ہو میرا، شریک غالب ہے

لہ بعض قدیم و جدید نسخوں میں "تو" کی جگہ "کہ" چھپا ہے۔ متن نسخہ نظامی کے مطابق ہے۔  
لہ غالب نے قلم، مذکر و مؤنث، دونوں طرح لکھا ہے۔

سہل تھا سہل فلے یہ سخت مشکل آپڑی  
مجھ پہ کیا گزرے گی اتنے روز حاضر ہوئے  
تین دن سہل سے پہلے، تین دن سہل کے بعد  
تین دن سہل، تین تبریدیں یہ سب کے دن ہوئے

خجستہ انجمن طوے میرزا جعفر  
کہ جس کے دیکھے سے سب کا ہوا ہے جی مخلوط  
ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں غالب  
نہ کیوں ہو مادہ سال عیسوی مخلوط

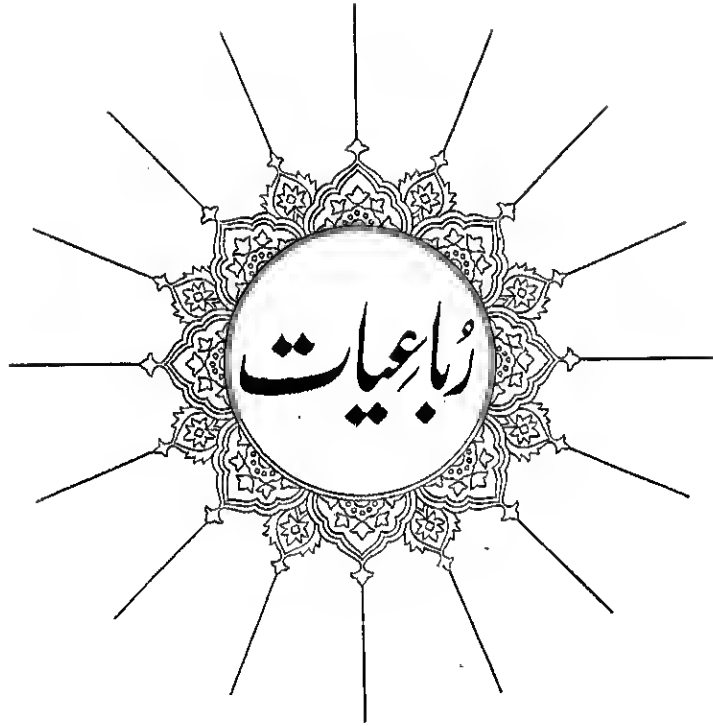
۱۸۵۲

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی  
ہوا بزم طرب میں رقص ناہید  
کہا غالب سے: "تاریخ اس کی کیا ہے؟"  
تو بولا: "النشراح جشن جمشید"

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں  
دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں  
کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کرتے ہوئے سلام  
اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

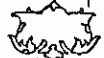




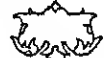




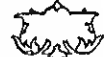
بعد از اتمام بزم عید اطفال ایام جوانی رہے ساغر کش حال  
آپنچے ہیں تا سوادِ اقلیمِ عدم اے عمر گزشتہ یک قدم استقبال!



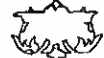
شب زلف و رخ عرقِ فشاں کا غم تھا کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا  
رویائیں ہزار آنکھ سے صبح تک ہر قطرہ اشک دیدہ پر غم تھا



آتش بازی ہے جیسے شغلِ اطفال ہے سوزِ جگر کا بھی اسی طور کا حال  
تھا موجبِ عشق بھی قیامت کوئی لڑکوں کے لیے گیا ہے کیا کھیل نکال!



دل تھا کہ جو جانِ دردمید سہی بیاہی رشک و حسرت دید سہی  
ہم اور فُردن اے تجلیِ افسوس تھوڑا روا نہیں تو تخب دید سہی!



ہے خلقِ حدِ قماش لڑنے کے لیے وحشت کدہ تلاش لڑنے کے لیے  
یعنی ہر بار صورت کا غلبہ باد رلتے ہیں یہ بد معاش لڑنے کے لیے



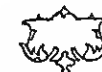
لفظِ طباطبائی میں یہ مصرع یوں درج ہے: "یعنی ہر بار کاغذِ بادی طرح" — متن نسخہ نظامی کے مطابق ہے۔ کاغذِ باد = کسکڑا۔



دل سخت نہ زند ہو گیا ہے گویا اُس سے گلہ مند ہو گیا ہے گویا  
پر یار کے آگے بول سکتے ہی نہیں غالب مُنہ بند ہو گیا ہے گویا



دُکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب دل رُک رُک کر بند ہو گیا ہے غالب  
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں سونا سو گند ہو گیا ہے غالب



مُشکل ہے زبں کلام میرا اے دل سُن سُن کے اُسے بےخُشوارانِ کامل  
اساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش گویم مُشکل دگر گویم مُشکل



بھیجی ہے جو مجھ کو شاہِ حُجّہ جاہ نے دال ہے لُطف و عنایاتِ شہنشاہ پہ دال  
یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال ہے دولت و دین و وائش و دلو کی دال



ہیں شہر میں صیغاتِ فُوجِ الجالی باہم آثارِ حبِ لالی و جمالی باہم  
ہوں شاو نہ کیوں سا فُل و عالی باہم ہے اب کے شبِ قدرِ دِوالی باہم



لہٰذا اس رباعی کے دوسرے مصرع کے متعلق بڑا جھگڑا رہا ہے۔ یہ بظاہر حضرت طباطبائی کے عروضی اعتراض سے شروع ہوا جو غالباً غلط فہمی پر مبنی تھا۔ اس کے بعد مختلف حضرات اس مصرع پر طبع آزمائی کرتے رہے اور انھوں نے ”رُک رُک کر“ کے بجائے صرف ”رُک رُک کر“ لکھ کر اس کی اصلاح کی کوشش بھی کی مگر یہ لحاظ نہ فرمایا کہ اس اصلاح سے رباعی کی جان بھی نکال لی گئی ہے۔ ”دل رُک کر بند ہو گیا“ تو ایسا ہی قفل ہے جیسا ”دل رُک کر ہو گیا“ یا ”دل بند ہو کر بند ہو گیا“ غالب نے ”دل رُک رُک کر“ کہا تھا تو اس طرح ایک ایسے تدریجی قفل کی طرف تلمیح اشارہ کیا تھا جو آخر کار حرکتِ قلب کے کاملاً بند ہوجانے کی تمہید بنا تھا اور جس کا ذکر کیے بغیر مصرع قطعاً بے کیف رہ جاتا ہے۔ عروض خواہ کچھ کہے ”رُک رُک کر“ کو ”رُک رُک کر“ کی جگہ نہیں دی جاسکتی۔



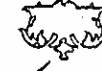
حق شہر کی بقا سے خُلق کو شاد کرے تاشاہ شُیوع وائش و داد کرے  
یہ دی جو گئی سے رشتہ عمر میں گانٹھ ہے صُغر کہ اُفرائش اُعدا کرے



اس رشتے میں لاکھ تار ہوں، بلکہ سوا اتنے ہی برس شمار ہوں، بلکہ سوا  
ہر سینکڑے کو ایک گرہ فرض کریں ایسی گرہیں ہزار ہوں، بلکہ سوا



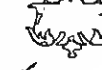
کہتے ہیں کہ اب دہِ مُردم آزار نہیں عُشاق کی پُرسش سے اُسے عار نہیں  
جو ہاتھ کہ ظلم سے اٹھایا ہوگا کیونکر مانوں کہ اُس میں تلوار نہیں!



ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے کرتے ہیں دُرنگ، کام کرنے والے  
کہتے ہیں کہیں خُدا سے، اللہ اللہ! دُہ آپ ہیں صُبح و شام کرنے والے!



سامانِ خور و خواب کہاں سے لاؤں؟ آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں؟  
روزہ مرا ایمان ہے غالب! لیکن خُشنا نہ و برفاب کہاں سے لاؤں؟



ان سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے بھیجے ہیں جو اُرمغاں شہر والا نے  
رگن کر دیویں گے ہم دُعا میں سوار فیروزے کی تیلیج کے ہیں یہ دانے





### ضمیمہ

ملاحظہ ہو صفحہ ۱۵، شعر دوم، مصرعِ اول : اب نہیں ہوں اور تاہم ایک شہر آرزو  
یہ مصرع عموماً یوں ہی (بہ اضافت) پڑھا جاتا ہے اور اس طرح بھی درست ہے مگر گمان ہوتا ہے کہ غالب نے ایک شہر آرزو (ملاحظہ) لکھا ہوگا۔ ایک شہر آرزو سے مراد ہے : "لا تعداد آرزوئیں"۔ غالب نے اس قسم کی ترکیبیں بہ کثرت استعمال کی ہیں، مثلاً : "یک نیستان نالہ،  
"یک بیابان ماندگی"، "دو عالم دشت کا شیرازہ" وغیرہ۔



صفحہ ۹۷، شعر سوم، مصرعِ اول : ہوں سُخرفت نہ کیوں رہ و رسمِ ثواب سے  
تمام مروجہ نسخوں میں غالباً سو کتب کے باعث لفظ "ثواب" ہی چھپا ہے۔ غالب نے یہاں یقیناً "صواب" لکھا ہوگا، ورنہ شعر  
بے لطف رہ جاتا ہے۔ "قلم سر نوشت" کا "ٹیرٹھا" قلم خود لفظ "صواب" کے حق میں دلیل قاطع ہے۔



صفحہ ۲۱۸، دوسری رباعی، مصرعِ دوم : دل رگ رگ کر بند ہو گیا ہے غالب  
نحسبِ مکرم ڈاکٹر محمد باقر نے بتایا ہے کہ پروفیسر شیرانی نے اس مصرع پر عروضی اعتراض شہد کر دیا تھا۔ ملاحظہ ہو "ادنیٰ لکچ میگزین"  
(بابت فروری ۱۹۷۰ء) عنوانِ مضمری : "رباعی کے آؤڑان یا ورکھنے کا طریقہ"۔

